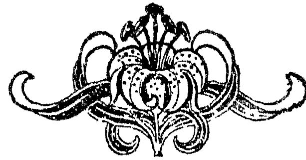
پیامِ رُوح



حامد اللہ افسر

قیمت ے /

پیامِ روح

کالی کے متر اپرنٹر پبلشر

انڈین پریس لمیٹڈ الہ آباد

فہرست مضامین

اجزائے پیام

نغماتِ الصغر

روحِ جذبات

پرتوِ افکار

غزلیات



دیباچہ

نغمات الصغر میں جس قدر نظمیں اور غزلیں شامل ہیں وہ سب میرے بچپن کی یادگار ہیں، ان میں بعض وہ ہیں جو بالکل ابتدائی مشق کا نتیجہ ہیں میں نے اس حصہ میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی ہے۔ اسی لئے ایک آدھ جگہ شاید کوئی خامی بھی نظر آئے مثلاً صفحہ ۴۴ والی نظم کا آخری مصرعہ یوں ہوتا تو بہتر تھا "جو اس قدر ہوا طلبا کے دلوں پہ شاق" لیکن میں نے اسلئے نہ بدلا کہ پھر وہ بچپن کا کلام نہ رہتا، نغمات الصغر میں ۱۹۱۸ء تک کی نظمیں شامل ہیں،

روح جذبات میں ۱۹۱۹ء سے لیکر اس وقت تک کی نظمیں ہیں، ترتیب میں صرف وقت کا لحاظ رکھا گیا ہے جس ترتیب سے نظمیں کہی گئیں اُسی ترتیب سے درج کی گئیں، لیکن جو نظمیں حمد میں ہیں انہیں مضمون کی نوعیت کے لحاظ سے اوّل میں جگہ دی گئی ہے اور اس امر کا خیال نہیں رکھا ہے کہ وہ کب کہی گئی تھیں،

پرتو افکار کی نظمیں ہمیشہ ایسے وقت لکھی گئیں جب یا تو مجھ پر بے خودی طاری تھی یا کسی غیر متوقع واقعہ کے ظہور سے خیالات کچھ منتشر ہو گئے اور پھر مجتمع ہونے سے پہلے چند شعر اپنی یادگار چھوڑ گئے، ممکن ہے یہ حصہ آپ کو کہیں کہیں سے خشک معلوم ہو مگر شاید بعض جگہ خیال کی تازگی اور جدت اسکی تلافی کر دے، اس حصہ کی ترتیب میں بھی وقت کا خیال رکھا گیا ہے اور اسمیں بھی ۱۹۱۹ء سے لیکر اس وقت تک کی نظمیں شامل ہیں،

عذر و شکر مجھے افسوس ہے کہ صحت کا پورے طور پر خیال رکھنے کے باوجود طباعت کی غلطیاں باقی رہ گئیں، سوائے اسکے اور کیا چارہ تھا کہ ایک "غلط نامہ" کتاب کے آخر میں شامل کر دیا جائے آپ اسکی مدد سے اپنے نسخے کی صحت فرما لیں،

میں اپنے مخدوم محترم آنریبل جسٹس شاہ محمد سلیمان ایم اے، ایل ایل ڈی جج ہائی کورٹ الہ آباد کا ممنون احسان ہوں کہ آپ نے باوجود عدیم الفرصت ہونے کے "پیام روح" پر اپنے بیش بہا خیالات کا اظہار فرمایا، میں اپنے معزز دوست میاں بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹرایٹ لا، لاہور کا بھی دل سے ممنون ہوں کہ آنجناب نے اس کے لئے "مقدمہ" لکھ کر مجھے زیر بار احسان کیا،

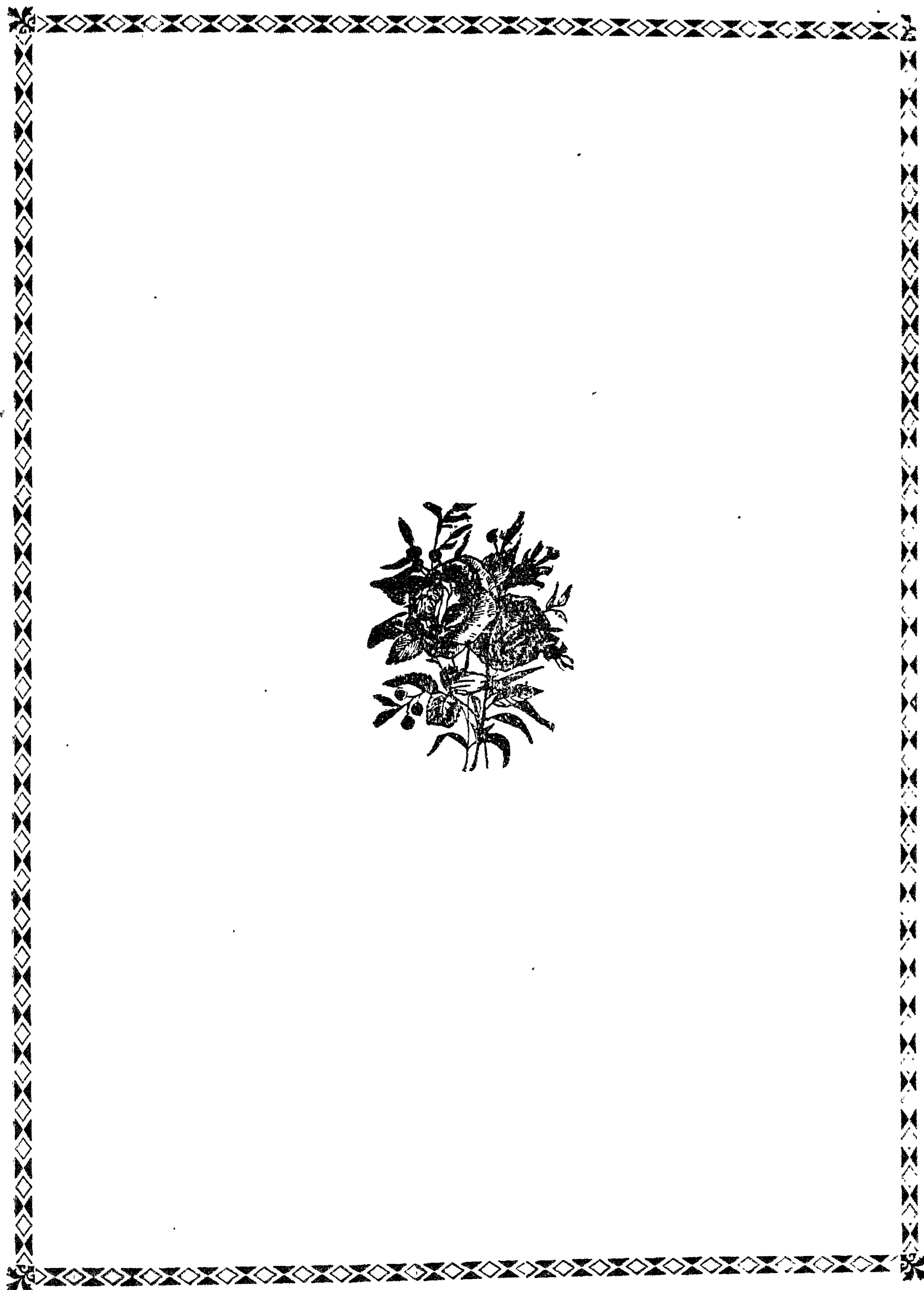
حقیقت یہ ہے کہ تشکر و امتنان کے رسمی الفاظ اُن جذبات کے اظہار سے قاصر ہیں جو اِن دونوں حضرات کے لئے میرے دل میں موجزن ہیں،

مفتی اسٹریٹ، شہر میرٹھ

حامد اللہ افسر

نغماتِ الصغر

...... سنہ ۱۹۱۸ء تک



تقریب

(از آنریبل جسٹس شاہ محمدؐ سلیمان صاحب ایم، اے، ایل ایل ڈی جج ہائیکورٹ الہ آباد)

یہ شکایت عام طور پر سنی جاتی ہے کہ اردو میں اچھی کتابیں شائع نہیں ہوتیں، اور یہ امر واقعہ ہے لیکن شاید اس امر پر کبھی ہم نے غور نہیں کیا کہ اس حالت کے ذمہ وار خود ہم ہیں حقیقت میں ہمارے یہاں اعلیٰ پایہ کے شاعروں اور ادیبوں کی کمی نہیں، سب سے بڑی دقت یہ ہے کہ کتابوں کے پڑھنے والے نہیں ملتے، سال بھر میں اچھی سے اچھی کتاب کے پانسو سات سو نسخوں سے زیادہ فروخت نہیں ہوتے، پھر کس امید پر کوئی کتابیں شائع کرے اسکے برخلاف ترقی یافتہ ممالک کی یہ کیفیت ہے کہ معمولی معمولی کتابوں کے دو دو لاکھ نسخے فروخت ہو جاتے ہیں،

میرے نزدیک اسکے دو اسباب ہیں، ایک تو یہ کہ عوام میں تعلیم کا رواج نہیں، اس لئے آبادی کا بڑا طبقہ تو یوں الگ ہو گیا، اب رہے خواص سو انکے نزدیک اردو قابل التفات نہیں، انکی تمام ضرورتیں انگریزی زبان پوری کر دیتی ہے، اب کتابیں خریدنے کے لئے صرف وہ محدود طبقہ رہ گیا جو یا تو بالکل انگریزی تعلیم حاصل نہیں کر سکا یا اگر حاصل کی تو بہت معمولی ان میں سے اکثر کو تو شوق نہیں اور جنھیں شوق ہے انہیں استطاعت نہیں،

اس صورت حال کی اصلاح اس طرح ممکن ہے کہ اوّل تو عام تعلیم کا رواج بڑے پیمانہ

پر ہو لیکن اسکے لئے ایک مدت درکار ہے، دوسرے یہ کہ خواص اپنی مادری زبان کیطرف متوجہ ہوں، اسکی ایک صورت یہ ہو سکتی ہے کہ اس قسم کی کتابیں شائع کی جائیں جو انگریزی زبان کی کتابوں کے ہم پلہ نہوں تو ان سے کم بھی نہوں طباعت کے لحاظ سے بھی اور نفس مضمون کے لحاظ سے بھی، پھر زمانے کی ہوا کا خیال بھی رکھا جائے، قدیم روش کیسی ہی اچھی کیوں نہو موجودہ زمانے میں جب کہ ہر چیز تغیرات کے زیر اثر ہے. اکتفا نہیں کرسکتی، مثلاً ہمارے شعرا اب تک غزل گوئی پر مٹے ہوئے ہیں، انکے نزدیک تمام اصناف سخن میں صرف اسی ایک صنف پر شاعری کا اطلاق ہو سکتا ہے، حالانکہ غزل محض حصول مقصد کا ایک ذریعہ تھا بذات خود مقصد نہ تھا' ایک ہی بحر مین ایک مخصوص ردیف مقرر کرکے مختلف قوافی پر طبع آزمائی کرنا حقیقت میں محض ابتدائی مشق کے لئے تھا' اب یہی چیز مقصود بالذات ہے، اس میں شک نہیں کہ ہمارے بعض شعرا نے غزل کو معراج کمال پر پہنچا دیا لیکن کسی زبان کا سرمایۂ ادب اگر محض غزل کی شاعری ہی پر منحصر ہو تو اسکی بے بضاعتی ظاہر ہے، ضرورت اس بات کی ہے کہ عروض کی اصلاح اور ترمیم کیجائے نئی نئی بحرین اختیار کیجائیں، مختلف اصناف سخن میں طبع آزمائی کیجائے اور اردو شاعری کو مطابق فطرت بنا دیا جائے،

لیکن یہ کام آسان نہیں ہے، اس طرف قدم اٹھاتے ہی مشکلات کا سامنا ہوگا، مثلاً دور حاضر کے بعض انشاپرداز اور شاعر جن کی طبیعتیں کوئی جدید روش اختیار کرنے کے لئے بے چین ہیں یہ سمجھ بیٹھے ہین کہ عربی اور فارسی کے ادق اور غیر مانوس الفاظ کی بھرمار جدت پیدا کرنیکے لئے کافی ہے میرے نزدیک اس طرز عمل سے اردو کو نقصان پہنچ رہا ہے، سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ ہندو اصحاب کا ایک

بڑا طبقہ جن کی مادری زبان اردو ہے اور جن میں عربی اور فارسی تعلیم کا رواج نہیں ہے اردو دال طبقہ سے دور ہوتا جاتا ہے، اردو پر ان کو بھی اتنا ہی حق حاصل ہے جتنا کہ مسلمانوں کو ہے، دوسری بات یہ ہے کہ جہاں تک ادب کا تعلق ہے ضرورت جدید خیالات کی ہے نہ کہ جدید الفاظ کی، ہر زبان میں کسی شاعر یا ادیب کا یہ سب سے بڑا کمال سمجھا جاتا ہے کہ وہ نازک سے نازک اور ادق ادق خیال کو نہایت آسان صاف اور سلیس زبان میں ادا کردے حقیقت میں ادبی سادگی کمال فن میں داخل ہے، کلام کا عام فہم ہونا اس لئے بھی ضروری ہے کہ اسکو اعلیٰ سے لے کر ادنیٰ تک ہر طبقہ کے لوگ سمجھ سکیں اور اس سے لطف اٹھا سکیں، جناب حامد اللہ صاحب افسر جنکا مجموعہ کلام اسوقت آپ کے پیش نظر ہے بڑی حد تک ان تمام باتوں میں کامیاب ہوئے ہیں، افسر کا نام اور کلام کسی تعارف کا محتاج نہیں انکی شہرت خود انکی مقبولیت کا ثبوت ہے پیام روح انکی اسوقت تک کی تمام نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے، اسکی اشاعت سے اردو شاعری میں ایک نئے باب کا اضافہ ہوگا،

رُوکا (Roux) کا قول ہے کہ لطیف تاثرات کے لطیف اظہار کا نام شاعری ہے، انگلستان کا مشہور شاعر شیلی (Shelley) کہتا ہے کہ شاعری زندگی کی تصویر ہے جو ابدی صداقت کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے یہ دونوں مقولے میرے نزدیک افسر کی شاعری کی ایک جامع تفسیر ہیں،

تخئیل کی جدت، اچھوتے مضامین کو نہایت سلاست اور صفائی کے ساتھ بیان کرنا سیدھے سادے الفاظ کو اس طرح ترتیب دیناکہ وہ موسیقیت سے لبریز ہوجائیں یہ افسر کے کلام کی خصوصیات ہیں،

کلام افسر کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ وہ دنیا کو صرف رنج وملال کی آماجگاہ نہیں بتاتے بلکہ قدم قدم پر زندگی کو حقیقی راحت اور مسرت سے لبریز دیکھتے ہیں، یہ کیفیت اس لئے اور نمایاں ہوگئی کہ افسر کی شاعری

روحانیت میں سرشار رہے اور روحانیت ہی ایک ایسی چیز ہے جو انسان کو اس مادّی دنیا کی کشاکش سے علیحدہ رکھنے میں کامیاب ہو سکتی ہے،

ایک اور قابل لحاظ بات یہ ہے کہ افسر کا دل وطن کی محبت سے لبریز ہے، اس مجموعہ میں متعدد نظمیں ایسی شامل ہیں جن کو پڑھ کر دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے، کیا عجب ہے کہ افسر کے یہ محبت بھرے نغمے ہمارے ملک کی فرقہ وارانہ کش مکش کو دور کرنے میں کسی حد تک کامیاب ہو جائیں، دنیا کی تاریخ میں ایسی مثالیں ناپید نہیں ہیں،

مجھے بہت مسرت ہے کہ کلام افسر ایک خوبصورت مجموعہ کی صورت میں شائع ہو رہا ہے ہمارے نوجوان شعراء کے لئے یہ شمع ہدایت کا کام دیگا اور آنے والی نسلیں انکی تقلید کرینگی اور وہ لوگ جو دنیا کے بکھیڑوں سے تنگ آکر ناامیدانہ زندگی بسر کر رہے ہیں افسر کو ایک ایسا رفیق سفر پائیں گے جو انھیں نہایت دلکش اور باا ثر الفاظ میں روحانی مسرت اور حقیقی راحت کا پیام دیگا اور منزل مقصود تک ازلی صداقتوں کی روشنی دکھاتا ہوا ساتھ ساتھ چلا جائیگا،

الہ آباد، ۹ راپریل ۱۹۲۷ء — شاہ محمد سلیمان



مقدمہ

(از میاں بشیر احمد صاحب بی اے (آکسن) بیرسٹر ایٹ لا اڈیٹر رسالہ ہمایوں لاہور)

میرے دوست حامد اللہ صاحب افسر بی اے زمانہ حال کے اُن نوجوان اُردو شاعروں میں ہیں جن کے ہاتھ میں اردو شاعری کا مستقبل ہے، مرزا غالب پرانے شعرا میں خاتم الشعرا تھے۔ اُن کے بعد سرسید مرحوم کی حیات بخش تحریک کے ایک رکن بن کر مولانا حالی آئے جنہوں نے قوم کو شعر کے ذریعہ سے پیغام عمل دیا لیکن قدامت پسند شاعری نے داغ کی آواز میں اس "نظم پسندی" کے خلاف پھر غزل کی صدائے احتجاج بلند کی، اس صدا کا پیغام اس قدر سادہ لفظوں میں تھا کہ جدید دور کے سادہ پسند اس کی داد دئے بغیر نہ رہ سکے، پھر بھی قدیم غزل گوئی کا زمانہ ہو چکا تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ نئی طبیعتوں نے کبھی نظم کے کوٹ پتلون کو زیب تن کیا اور کبھی اسی غزل کے اچکن کو نئے انداز سے پہنا، ڈاکٹر اقبال کے فلسفہ نے قوم کو شعر میں جد و جہد کا سبق دیا، لیکن ابھی شاعری کے میدان میں گنجایش باقی رہی کہ نئے یا پرانے خیالات کو نئے انداز میں بیان کیا جائے، اردو کو سادگی کا درس مل چکا تھا معنی آفرینی کا غل بھی برپا ہو گیا تھا لیکن جدت بیان اور موسیقی شعر کے ہزاروں نغمے ابھی سینوں میں مستور تھے۔ ہمارے نوجوان شاعر اس جدت اور موسیقی کی راگنیاں الاپتے ہوئے میدان شعر میں گام زن ہیں اور سچ یہ ہے کہ ان میں بعض راگنیوں کے سُر غایت درجہ شیریں اور خیال انگیز ہیں،

جناب افسر کی نظموں اور غزلوں کا مجموعہ اس وقت پیام روح کی شکل میں دنیائے ادب کے

سامنے پیش کیا جاتا ہے میرے خیال میں ظاہری صورت اور باطنی خوبیوں کے لحاظ سے یہ مجموعہ اس قابل ہے کہ اُسے نظم اُردو کی بہترین اور پائدار تصنیفات کیساتھ جگہ دی جائے۔ اسکے ظاہری و معنوی محاسن پر میں لائق شاعر کو مبارکباد دیتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ پبلک اُنھیں وہ داد دیگی جسکے وہ مستحق ہیں،

میں نے اس مجموعہ کی بہت سی نظموں کو پڑھا ہے، ان میں سے اکثر اُردو کے بہترین رسائل میں شائع ہو چکی ہیں اور اربابِ سخن نے اُن کو بنظرِ استحسان دیکھا ہے،

ژوبیر اپنے "خیالات" میں لکھتا ہے "شاعری کہیں ڈھونڈے نہیں ملتی جب تک ہم اپنے ہمراہ اُسے دل میں نہ لئے ہوں" "پیامِ روح" کے مطالعہ سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ "پیامی ہمجو پیام ہمیں دے رہا ہے وہ پہلے اُسے اپنے دل میں محسوس کر چکا ہے وہ اُسے گنگنانے پر گانے پر اوروں کو سنانے پر مجبور ہے، وہ اوروں کی نقل نہیں کرتا دنیا کی اصل جو کچھ وہ سمجھے ہوئے ہے حقیقت کی راگنی جیسے وہ سن رہا ہے ہمیں بھی بتاتا اور سناتا ہے جو ہمارے لئے اجنبی نہیں ہے، ہم سمجھتے ہیں کہ ہم یہ سب کچھ جانے ہوئے ہیں صرف اپنے ہی مانوس خیالات کو اک گیت کی صورت میں دوسرے کی زبانی سُن رہے ہیں، ایک مصنف کا قول ہے کہ "شاعری حسین تاثرات کا حسین اظہار ہے" اگر یہ درست ہے تو سادہ بیان نغمہ زن شاعر شاعری کا صحیح ترجمان ہے افسر کی "نشاطِ خیال" اور "سائل" یقیناً حسین تاثرات کے حسین اظہار ہیں۔ ان میں کوئی فلسفیانہ دقت نہیں کوئی اصطلاحی گورکھ دھندا نہیں۔ صرف موسیقی سیدھے سادے لفظوں کے رنگین پھولوں سے کھیل رہی ہے اور اس گل بازی میں ہمیں بھی شریک دیکھنا چاہتی ہے، اسی کا نام شاعری ہے،

پیام روح تین حصوں میں منقسم ہے۔ نغمات الصغر میں اوائل عمر کا کلام درج کیا گیا ہے اور دوسرے حصے "روح جذبات" میں ۱۹۱۹ء سے لے کر اب تک کا کلام ہے پھر "پرتو افکار" کے عنوان سے اکثر حکیمانہ اور فلسفیانہ نظمیں ایک جگہ کر دی گئی ہیں۔ مذہبی نظموں کا مجموعہ زیر ترتیب ہے اور علیحدہ شائع ہوگا،

میرا ارادہ پیام روح پر اس وقت ایک مبسوط تبصرہ لکھنے کا نہیں ہے۔ یہ اہم کام میں کسی قابل نقاد ادب کے لئے چھوڑتا ہوں، یہاں صرف اتنی گنجائش ہے کہ میں کلام افسر کے چند دلفریب نمونے پیش کرکے اس کی خوبیوں کی طرف قارئین کو توجہ دلاؤں، سادگی موسیقیت اور اک انوکھا طرز بیان، یہ افسر کے کلام کی خصوصیات ہیں، ان کا سینہ حُبّ الوطنی کے جذبات سے معمور ہے وہ جذبات جن کی اس ہندو مسلم جنگ کے دور جانگزا میں کمی ہے، وہ جذبات جو خدا کرے جلد سے جلد ہمارے اہلِ وطن کے دلوں میں موج زن ہوں، "سارے جہاں پر ہے سکہ مرے وطن کا" سچ نہیں ہے سچ تو یہ ہے کہ "سارے جہاں کا ہے سکہ مرے وطن پر" مگر خدا سے دُعا ہے کہ افسر کی دُعا پوری ہو۔ کہتے ہیں اور خوب کہتے ہیں

پھولوں سے بھی سوا ہے کانٹا مرے وطن کا ۔ ہے آفتاب مجھ کو ذرہ مرے وطن کا

دل میں جما ہوا ہے نقشہ مرے وطن کا

ایک اور نظم ہے:

دیکھو یہ ساون کی بہاریں ۔ پڑتی ہیں ہر سمت پھواریں ۔ ہرے بھرے پودوں کی قطاریں ۔ بادل جن پر موتی واریں

جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں

بچوں کے لئے ایک نظم ہے:

دن جو بہار کے آتے ہیں ۔ کیا کیا پھول کھلاتے ہیں ۔ بادل مینہ برساتے ہیں ۔ بلبل گیت سناتے ہیں

بھارت کے گن گاتے ہیں ۔ دل کی مرادیں پاتے ہیں

ایسی ہی ایک اور نظم ہے

میرے وطن کو تو نے جنت بنا دیا

یہ آسماں بنایا سارا جہاں بنایا ہندوستان بنایا یا گلستاں بنایا
کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے میرے وطن کو تو نے جنت بنا دیا ہے

غالباً وطن کا راگ اس نوع کی نظموں میں بہترین نظم ہے

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے ہر رُت ہر اک موسم اسکا کیسا پیارا پیارا ہے
کیسا سہانا کیسا سُندر پیارا دیش ہمارا ہے دکھ میں سکھ میں ہر حالت میں بھارت دل کا سہارا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

یہ نظم رسالہ ہمایوں میں شائع ہوتے ہی بہت مقبول ہوئی اور یقین ہے کہ اسے اور لوائے اسکاؤٹس کے گیت کو محبانِ وطن اپنی فرصت کی اوقات میں اکثر گنگنائیں گے اور لطف اٹھائیں ،

افسر کو مناظرِ قدرت سے بے انتہا دلچسپی ہے جسکی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ انکا بچپن دہرہ دون اور منصوری میں گذرا جہاں فطری مناظر کی کثرت ہے "بہار کے دن" اور "چاند" نمونہ کے طور پر درج کئے جا رہے ہیں رات اور اسکے تاروں سے انہیں عشق ہے غزلوں میں جا بجا یہ مضمون پایا جاتا ہے :-

عجب ہے اے رات تیری حالت کہ تجھ میں وحشت بھی ہے سکون بھی
یہ راز کیا ہے مجھے بتا دے تجھے ترے چاند کی قسم ہے

جھلملانے والے تارو! تم نے یہ کیا کر دیا ذرہ ذرہ عالم ایجاد کا مخمور ہے
کس سے پوچھوں اس اندھیری رات میں تیرا پتہ آسماں پر چند تارے ہیں مگر وہ دور ہیں
تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے
پُر ہے نغموں سے فضا محو ہے دنیا ساری چاندنی رات میں نکلا ہوں غزل گانے کو
غضب کے دیکھنے والے ہیں یہ ستارے بھی کہاں سے دیکھ رہے ہیں ہوا زمانے کی
ستارے بادلوں میں آج جھولا جھولتے نکلے مہیا ہے فلک پر بھی تو کیفیت گلستاں کی
یہ دلنواز نغمے جنگل کی خامشی میں لرزہ سا آ رہا ہے تاروں کی روشنی میں
موسم برسات ہے جنگل ہے وقت شام ہے ایک تارہ ہے سو وہ بھی رعشہ بر اندام ہے

کس قدر کیف آور شعر ہے

ستارے جھلملا جاتے ہیں جب میں شکر کرتا ہوں ۔۔۔ کہ موتی اِن سے بہتر چاند کی کھیتی میں بوتا ہوں
مری خاموش راتیں اور محویت تصوّر کی ۔۔۔ نہیں معلوم یہ بھی جاگتا ہوں میں کہ سوتا ہوں
آنکھوں کو میسر ہوتے ہیں نظارے حسنِ مطلق کے ۔۔۔ جب تارے تمہاری راتوں کو دریا میں نہلاتے رہتے ہیں
تیرگی میں جنگل کی چاند جب نکلتا ہے ۔۔۔ میرا ہم سفر ہو کر ساتھ ساتھ چلتا ہے ،،

گنجان جنگل کی نسبت کہتے ہیں:۔

پتے پتے میں ہے وہ راز جو کھولے نہ کھلے ۔۔۔ یہ گھنے باغ ہیں اَفسر مرے کھو جانے کو

قدرت کی حسن آفرینی اور فطرت کی حق پرستی کو یوں یکجا کیا ہے:

بادلوں کی سرزمین پہ نغمہ ہائے جاں فزا ۔۔۔ مرغِ خوش پرواز! آزادی اسی کا نام ہے

بچپن کے جذبات ، ان نظموں میں آئینہ ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لئے لکھی گئی ہیں ،
لوری یوں دیتے ہیں ۔

سوجا آنکھ کے تارے سوجا ۔۔۔ سوجا دل کے سہارے سوجا ۔۔۔ سوجا راج دلارے سوجا ۔۔۔ سوجا چاند ہمارے سوجا
سوجا سوجا پیارے سوجا

آہستہ کھیتوں سے نکل کر ۔۔۔ ندی سے گذری ہے سنبھلکر ۔۔۔ پیڑوں کے سائے میں ٹہلکر ۔۔۔ نیند آئی ہے دور سے چلکر
سوجا سوجا پیارے سوجا

یاس میں آس بندھائیگا تو ۔۔۔ بگڑے کام بنائیگا تو ۔۔۔ دکھ دنیا کا مٹائیگا تو ۔۔۔ سکھ دیگا سکھ پائیگا تو
سوجا سوجا پیارے سوجا

فقیر کی دعا کے پہلے حصہ میں اگرچہ فقیر پرستی کا شبہ ہونے لگتا ہے مگر دوسرا حصہ کتنا پاکیزہ ہے:۔

آجائے اس کلی سے سارے چمن میں رونق ۔۔۔ ہو اس کے دم قدم سے پیارے وطن میں رونق
یہ خوش رہے جہاں میں
پھولے پھلے جہاں میں
سب کچھ اسے خدا دے

دنیا کی تیرگی میں یہ نور بنکے چمکے ،، ۔۔۔ دنیا سے دور کر دے آثار رنج و غم کے
یہ خوش رہے جہاں میں ۔۔۔ پھولے پھلے جہاں میں
سب کچھ اسے خدا دے

"بچپن کے دن" بچپن کی تصویر ہیں: اور جامیٹری بیں ہمیں لڑکپن کی پر مسرت مشکلات سے واسطہ پڑتا ہے،
میری اماں میں بھی اک جدت ہے،

رات مجھ کو چودھویں کا چاند جب آیا نظر   گود میں لے لوں اُسے جی چاہتا تھا دوڑ کر
پاس پہنچا میں تو مجھ پہ راز اس کا کھل گیا
چاند کب تھا چاند سا چہرہ تھا اماں جان کا

ساری نظم اک خوبصورت کھلونا ہے۔

اخلاق آموزی پیام رُوح کی جان ہے یہاں صرف اک مثال کافی ہے:

درد جس دل میں ہو اُس دل کی دوا بنجاؤں   کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دُکھ میں جلتے ہوئے لب کی میں دعا بن جاؤں
دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی   جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کا کام کروں راہ نما بن جاؤں

فلسفہ و معرفت سادگی کا خوشنما لباس پہنے ہوئے ہیں: ؎

دنیا میں اک سکون کا ذریعہ ہو جب یہی   انسان تجھ سے لو نہ لگائے تو کیا کرے
موت ایک فرصت اول ہے جو ہو دل کو نصیب   زندگی کہتے ہیں رہ رہ کے تڑپ جانے کو
موت کے خواب کی تعبیر ہے تجدیدِ حیات   یعنی اوّل سے سنائیں گے پھر افسانے کو
ہم جسکو موت سمجھتے ہیں پیغام حیات جدید ہے وہ   یہ پھول چمن میں جتنے ہیں پھر کھلنے کو مرجھاتے ہیں
مجھے اے چاند تیری منزلوں پر رشک آتا ہے   مسافر وہ نہیں ہے جو سفر کا مدعا سمجھے

کس قدر فلسفہ خیز شعر ہے:

حیات و موت دو کڑیاں ہیں اک زنجیر کی افسر   کوئی کیا ابتدا سمجھے کوئی کیا انتہا سمجھے

"نشاطِ خیال" اس رنگ میں نہایت درجہ نشاط پرور اور سبق آموز ہے: ؎

مانا وہ چھپنے والا ہر دل میں چھپ جائے گا   لیکن ڈھونڈنے والا بھی ڈھونڈ لیگا اور پائیگا
کیا ہونا ہے محبت میں یہ مجھ کو معلوم نہیں   جس نے آگ لگائی ہے وہ خود آگ بجھائیگا
میں تو نام کا مالی ہوں پھولوں کا رکھوالا ہوں   جس نے بیل اگائی ہے خود پروان چڑھائیگا
جس نے خزاں کو بھیجا ہے اسکے پاس بہار بھی ہے   جس نے باغ اجاڑا ہے وہ خود پھول کھلائیگا

زانو سکا تکیہ ہوگا مٹی کا بستر ہوگا ۔۔۔ گھر گھر جس کا چرچا ہے میرے گھر بھی آئیگا
افسر میرے کانوں میں کوئی یہ کیا کہتا ہے ۔۔۔ وہ سرکار ہماری ہے بِلے مانگے بھی پائیگا

شکر ہے کہ اس مجموعہ میں رنج وغم کا بہت کم تذکرہ ہے، ہمارے پست خیال شاعر اکثر اس مشرقی بیماری کا شکار بنے رہتے ہیں، خود بھی روتے ہیں اور دوسروں کو بھی رلاتے ہیں۔ افسر کی شاعری جہاں سبق آموز ہے وہاں اُمید خیز اور ہمت افزا بھی ہے اور اس کی ہمارے ملک اور ہماری قوم کو بے انتہا ضرورت ہے، لیکن جہاں قوانین فطرت کے تقاضے سے اُن کے دل پر رنج وغم کا بوجھ پڑ گیا وہاں اُسکا اظہار نہایت مؤثر الفاظ میں کیا ہے، مثلاً ایک نظم ہے "بہن کا سوگ"

ہائے کیسی تپ کہنہ نے یہ آفت ڈھائی ۔۔۔ بے کھلے ہی مرے گلشن کی کلی مرجھائی
کیا بہار آئی کہ پیغام خزاں کا لائی ۔۔۔ سچ تو یہ ہے کہ قضا بن کے جوانی آئی
زندگی کا کوئی مفہوم بھی سمجھا تو نے ۔۔۔ ہائے کیا عالم ایجاد میں دیکھا تو نے

کہیں کہیں ظرافت کی چاشنی بھی ہے۔ جامیٹری کی نظم ملاحظہ ہو،

دلکش طرز بیان اور موسیقیت نے جو لطف اس مجموعہ کی بعض نظموں میں پیدا کر دیا ہے اس کا پاکیزہ ترین نمونہ ذیل کی دو نظمیں ہیں جو میرے خیال میں اُردو کی بہترین نظموں میں شمار ہونے کے قابل ہیں:

سائل

تم مجھے کیا دے رہے ہو یہ ستارے کیا کروں ۔۔۔ ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں
ہیں مرے کس کام کے یہ آفتاب و ماہتاب ۔۔۔ ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں

ل

کیا کروں میں یہ کیسے دریا تمہارے کیا کروں   ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں

کیا کریں گے میری تسکین اونچے اونچے یہ پہاڑ   ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں

سچ یہ ہے مجھ کو نہیں ہے مال و دولت کی تلاش   ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں

تم مجھے مل جاؤ بس اتنی ہے میری آرزو

اور کچھ حاصل نہ ہو گر اور کچھ حاصل نہیں

وہ بھی زمانہ آئیگا

رہبر خود گمراہ ہوئے ہیں آج زمانہ ایسا ہے   ہر اک گام پہ منزل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

دولت ہے تنگی میں داخل آج زمانہ ایسا ہے   دولت جرم میں داخل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

آج اندھیرا ہے ہر گھر میں آج زمانہ ایسا ہے   جگ مگ جگ مگ محفل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

ہر مشکل آسان ہوئی ہے آج زمانہ ایسا ہے   ہر آسانی مشکل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

دنیا میں راحت نہیں ملتی آج زمانہ ایسا ہے   سچی راحت حاصل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

خوش دل ہونا بھی ہے اچنبھا آج زمانہ ایسا ہے   ساری دنیا خوش دل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

کشتی ہے گرداب میں افسر آج زمانہ ایسا ہے

کشتی نزدِ ساحل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا

افسر کی شاعری محض نشاط خیال اور طرز سوال ہی پر ختم نہیں ہے اُس میں صرف سادگی کا لطف اور موسیقی کا طلسم ہی نہیں ہے بلکہ وہ دنیائے ادب کے لئے ایک اخلاقی اور روحانی پیغام لیکر آئی ہے۔ افسر اُن زندہ دل فدائے عمل شاعروں میں سے ہیں جو اقبال کیطرح قوم و ملک کو بیداری

سکا سبق دیتے ہیں۔ مغرب کے ادب و فلسفہ سے متاثر ہوکر مشرق کے کسل وانحطاط سے تنگ آکر مشرق کی بعض حساس طبیعتوں نے مشرقی قناعت و توکل کے خلاف اپنی آواز بلند کی ہے، دنیا کی قسمت نے پہلو بدلا ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ ایشیا یا صرف ہندوستان ہی اس بزعم خود غلط توکل اور زیاں کار روحانیت کا شکار بنا رہے جس میں صداقت کی روح باقی نہیں رہی، خدائے عزوجل پر توکل کرنا حیات دنیوی میں صبر و قناعت سے کام لینا مادیت سے پرہیز کر کے روحانیت میں زندگی کے راز کو تلاش کرنا یہ سب کچھ نہ صرف ہماری ترقی کے لئے ضروری ہے بلکہ اسی کا نام ترقی ہے لیکن مشرق اب کچھ عرصے سے غلط توکل غلط قناعت اور غلط روحانیت میں مستغرق تھا، اب وقت آگیا ہے کہ مغرب کے تصادم یا جدید خیالات کے اثر سے جو جذبات ہم میں پیدا ہو رہے ہیں ہم اُن کے مطابق اپنی زندگیوں کی اصلاح کریں اور سچا توکل سچی قناعت اور سچی روحانیت اپنے دلوں میں پیدا کر دیں، سچا توکل "توالوئے اشتر بہ بند" پر منحصر ہے سچی قناعت "لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" کی ہم آواز ہے اور سچی روحانیت فقط آنے والی دنیا کے خواب نہیں دیکھتی بلکہ شاعر کو یقین ہے کہ :-

کوئی دن میں یہاں روحانیت چھا جائیگی سب پر ۔ یہی دنیا کسی دن خلد کہلائیگی اے افسر

افسر اُن پرہیزگاروں میں سے نہیں جو دنیا اور اُس کی خوشبوؤں سے بیزار ہیں اور اس بیزاری کو اپنی پرہیزگاری کا اہم ترین جزو سمجھے ہوئے ہیں، انسان کا فرض ہے کہ وہ اپنے ہم جنسوں سے محبت کرے اور اُنکی خدمت کو خدا کی عبادت سمجھے :-

محبّت اور خوشی ہے زندگی تجھ کو خبر بھی ہے   محبّت اور خوشی کا نام ہی دنیا میں نیکی ہے

خود شناسی کا فلسفہ افسر کے کلام میں جا بجا اپنا اثر دکھا رہا ہے۔ انسان جب تک اپنی قدر آپ نہ جانے گا جب تک اپنی چھپی ہوئی طاقتوں کو استعمال میں نہ لائیگا درجہ کمال تک نہ پہنچ سکیگا۔ یہ انسان کی اپنی کوتاہی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہیچ سمجھ کر ہیچ ہو جائے :ے

ابھی تک تو نے رکھی ماسوا ہی پر نظر اپنی   تجھے کرنا ہے پیدا اچھ بھروسا ذات پر اپنی

پیام روح میں خشک فلسفیانہ مضامین کو نہایت دلکش طریقے میں ادا کیا گیا ہے اور اخلاق کی سیدھی سادی لیکن پرزور لفظوں میں تلقین کی ہے :ے

ٹھہر او جانے والے زندگی کی شاہ راہوں پہ   بنا رکھی ہے تو نے اپنی راحت کی گناہوں پہ

کہیں اے کاش اتنی بات تیرے دل نشیں ہوتی   جسے کہتے ہیں راحت وہ گناہوں میں نہیں ہوتی

زوال رسیدہ قوموں کو تعلیم ہے،

بلندیوں پر وہی چڑھے گا نشیب میں جو اُتر سکیگا

جو چوٹیوں پر گیا ہے رستہ وہ گھاٹیوں سے گزر رہا ہے

مسافر والی نظم میں شاعر نے ظاہر کیا ہے کہ ہر وقت منزلِ مقصود کا خیال دل میں رکھنا بھی ہمت مردانہ کے خلاف ہے۔ سفر وہی ہے جس کے انجام کا وہم بھی جی میں نہ آئے، سفرِ زندگی کبھی ختم نہیں ہوتا پھر گھبرانے کی کیا بات ہے، اس سفر میں سفر کرتے رہنے کا لطف ہے کیونکہ :ے

سفر کی حد اگر معلوم ہوتی   سفر کی کیفیت معدوم ہوتی

ایمرسن نے خوب کہا ہے "سفر وہ ہے جس کے قدم قدم میں منزل پر پہنچنے کا لطف آئے،" انسان کام کر چکنے مدعا پا لینے کا آرزو مند رہتا ہے مگر اُس کی فطرت عالیہ کا تقاضا ہے کہ وہ کام کرتا رہے یہی کام کا مدّعا ہے۔ البتہ یہ ضرورہے کہ انسان اپنا کام نیک دلی اور گرمجوشی سے کرے اور نتیجہ سے بے نیاز رہے،

افسر کی غزلوں میں تغزل کا رنگ موجود ہے، لیکن ساتھ ہی بعض جگہ غزل سے نظم کا کام لیا گیا ہے، یہ موجودہ اُردو شاعری میں ایک نئی بات ہے، جو چند اور شعرا کے کلام میں بھی دیکھی جاتی ہے، غزل کو اس کے دقیانوسی حلقے سے نکال کر اس کی موسیقیت سے مطالب جدیدہ کے اظہار میں مدد لینا ایک نہایت مفید اور مبارک طریق عمل ہے، غزل کو ترک کر دینا غلطی ہے، لیکن اُسکو اسکی پُرانی روش پر قایم رکھنا جہالت ہے جسے کوئی ترقی یافتہ ادب برداشت نہیں کرسکتا،

تخیل کی جدّت کی متعدد مثالیں پیام رُوح میں پائی جاتی ہیں جن کا یہاں گنوانا مشکل بھی ہے اور غیر ضروری بھی،

جیسا کہ میں عرض کر چکا ہوں سادگی موسیقیت اور ایک انوکھا طرز بیان یہ افسر کے کلام کی خصوصیت ہیں، ہر قسم کے خیالات کو سادہ زبان میں اس طرح ادا کرنا کہ کوئی اہل ذوق اُسے سنتے ہی گنگنانے اور بار بار دہرانے لگے، یہ شعر گوئی کا کمال ہے اور میرے خیال میں افسر اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے ہیں:۔

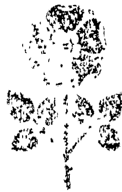
افسر کا کلام یقینی طور پر ملک میں اپنے طرز بیان کے لحاظ سے مقبول اور اپنے اخلاقی اثر کے لحاظ

بہت مفید ثابت ہوگا اور آنے والے شاعر اُن کی تقلید کرینگے۔

یہ مقدمہ مختصر و نامکمل ہے لیکن اس کمی کی ذمہ داری میرے دوست ہے جنھوں نے یہ کام ایک ایسے شخص کے سپرد کیا جو ملک کے دیباچہ نویسوں میں سے نہیں خیر مجھے تسلی ہے۔ عطر آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید۔

لاہور مورخہ ۱۲ دسمبر ۱۹۲۶ء

بشیر احمد



مالک الملک سے خطاب

ہمیں دیں نعمتیں کیا کیا الٰہ العالمیں تو نے
کہ رہنے کو عطا کی ہند کی پیاری زمیں تو نے

ہیں دنیا کی جبینیں سجدہ فرسا خاک پر اسکی
کہ اپنے نور سے کی ہند کی روشن جبیں تو نے

نہ کیوں ہو ناز خاکِ ہند پر ہم ہند والوں کو
کیا اکسیر اس مٹی کو رب العالمیں تو نے

کہاں یوں کھیلتی ہے چاندنی دریا کے دامن پر
یہ رونق چاند کو کب دی ہے دنیا میں کہیں تو نے

ہوئی تیرے کرم سے سربلندی ہند کو حاصل
بنایا خاتمِ عالم کا بھارت کو نگیں تو نے

ہے تو جلوہ فگن ہندوستاں کے ذرہ ذرہ سے
بنائی ہے اسی دنیا میں اک خلدِ بریں تو نے

وطن ہے ہند کالیداس کا اور میر و غالب کا
کیا افسرؔ کو اب اس دور میں پیدا یہیں تو نے

حمد باری تعالیٰ

الٰہی ترا شکر و احسان ہے   کہ مخلوق کا تو نگہبان ہے
ہے رزّاق سارے زمانے کا تو   کہ مختار ہے دانے دانے کا تو
ہوا سانس لینے کو دی بے شمار   ہوا پر ہے اس زندگی کا مدار
ترے فیض کا ہے اثر چار سو   چمن کو دئے پھول پھولوں کو بو
نہ کیونکر ترا شکر بلبل کرے   کہ خوشبو سے پھولوں کے دامن بھرے

بڑی تیری قدرت بڑی تیری شان   کیا تو نے سورج سے روشن جہان
بلندی پہاڑوں کو دی اسقدر   کہ تھکتی ہے چوٹی پہ جا کر نظر
ترا شکر ادا کر سکے کیا زبان   زباں میں بھلا اتنی طاقت کہاں

کرم سے ہے تیرے یہ ساری بہار
نہیں کچھ تری نعمتوں کا شمار

پیکرِ مدوّر

نیلے لباس والے او پیکر مدّور
دلچسپ تیرے تارے دلکش ہے تیرا منظر
گھیرے ہے تو زمیں کو او برج کو کناری
سایہ میں تیرے ہر دم رہتی ہے خلق ساری
فطرت کا راز اب تک انسان نے نہ پایا
تو ہے بھی یا نہیں ہے کچھ فہم میں نہ آیا
منکر ہے کوئی تیرا قائل ہے کوئی تیرا
قائل یہ کہہ رہا ہے تو نے زمیں کو گھیرا
ہے شاعری کی دنیا جیسی خدا کی قائل
ویسی ہی ہے وہ تیرے جور و جفا کی قائل

ہئیت کے آئینہ میں تو جلوہ گر نہیں ہے

پیشِ نظر تو ہے تو کچھ بھی مگر نہیں ہے

نظروں کے سامنے ہے جو کچھ یہ سب فضا ہے

اور اُس فضا میں جو شے رہتی ہے وہ ہوا ہے

کوئی تجھے کہے کچھ ہے فیض تیرا جاری

تیری ہی چھت کے نیچے رہتی ہے خلق ساری

تو عاجزی سے چاروں جانب جھکا ہوا ہے

اے چرخ اس سبب سے رتبہ ترا بڑا ہے

شمس و قمر سے تو نے روشن کیا جہاں کو

پھل اور رنگ اِن سے ملتے ہیں گلستاں کو

افسرؔ زبان لائے تیرے لئے کہاں سے

او چرخ وصف تیرا ممکن نہیں زباں سے



موسمِ برسات کی صُبح

(ایک بچّہ کی نظریں)

آج جس وقت مجھے تم نے جگایا اماں
اپنے اور نیند کے پہلو سے اٹھایا اماں
آسماں کملی تھا اوڑھے ہوئے کالی کالی
تازگی اور سفیدی سے فضا تھی خالی
نہ اندھیرا ہی تھا شب کا نہ اُجالا دن کا
رات کے گرد نظر آتا تھا ہالا دن کا
اک بلندی کی کڑک پستی کو دہلاتی تھی
دل ہلاتی ہوئی آواز سنی جاتی تھی
صبح ہر چار طرف روتی ہوئی پھرتی تھی
اپنا منہ آنسوؤں سے دھوتی ہوئی پھرتی تھی

جیسے ننّھا سا میں بیٹا ہوں تمہارا امّاں
ایسے ہی صبح کا اک لال ہے پیارا امّاں
جیسے میں کھیلنے جاتا ہوں بہت دور کہیں
ایسے ہی شرق میں ہے آج وہ مستور کہیں

کھو گیا ہے نظر آتا نہیں بچّہ اُس کا
ڈھونڈتی لاکھ ہے پاتا نہیں بچّہ اُسکا
دیکھو تو صبح کا دل سرد ہے بے نور ہے آنکھ
اپنے بچّہ کے تصوّر ہی سے معمور ہے آنکھ
مجھکو جانے دو کہ میں ڈھونڈھ کے لاؤں اُسکو
غمزدہ صبح کے پہلو مین بٹھاؤں اُسکو،



عشقِ پسِ پردہ

(۱)

عشق کی یہ دل کشی میں نے تو دیکھی نہ تھی

نکلی ہے دل سے ہر آہ درد میں ڈوبی ہوئی

ایسی بھی ہوتی ہے چاہ

اسکو میں سمجھی گناہ

درد میں یہ لذّتیں عشق کی یہ دل کشی

مین نے تو دیکھی نہ تھی

(۲)

اُف رے مرا انتظار آنسوؤں کی یہ قطار

ہائے رے یہ اضطراب ہوتے ہیں یوں بیقرار

حسن ہے خانہ خراب

عشق ہے کارِ ثواب

شوق بھی اتنا تو ہو اُف رے مرا انتظار

آنسوؤں کی یہ قطار

(۳)

عشق سے میں کیا چھپوں اب تو یہ پٹ کھولدوں

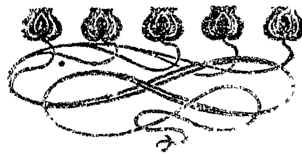
اور یہ بڑھ کر کہوں دیکھو میں موجود ہوں

آہ یہ سوزِ دروں !!

عشق نہیں ہے جنوں

ہو گیا سب آشکار عشق سے میں کیا چھپوں

اب تو یہ پٹ کھولدوں



الدھن کا سفر[1]

بہلی تیار ہو گئی ہے — ...بھی سوار ہو گئی ہے
کرنا اب بات راستے میں — ہو جائیگی رات راستے میں
کب سے بیٹھی سنور رہی ہو — ناحق کیوں دیر کر رہی ہو
گاڑی والا پکارتا ہے — دیکھو وہ "ہانک[2] مارتا" ہے
کہتا ہے "اویر[3]" ہو رہی ہے — چلئے اب دیر ہو رہی ہے
وہ پوچھ رہا ہے "کے جنے" ہیں — پردے دونوں طرف تنے ہیں
آخر تیار ہو گئیں تم — کس بات پہ میری منس پڑیں تم
دیکھو دیکھو سنبھل کے بیٹھو — پہلو اپنا بدل کے بیٹھو
دیکھو تو بھلا کہاں میں بیٹھوں — دو مجھکو جگہ جہاں میں بیٹھوں
کپڑوں میں ہے گاڑی بان کے بو — کیونکر بیٹھوں ملا کے پہلو

---

[1] الدھن تحصیل ہاپوڑ (ضلع میرٹھ) میں ایک چھوٹے سے گاؤں کا نام ہے، جو میرٹھ سے بارہ میل کے فاصلہ پر ہے
[2] گنواری بولی، پکارنا، آواز دینا،
[3] دیر،

بیلوں نے لیا کہیں نہ آرام — پھر بھی رستے مین ہوگئی شام

جنگل سے جو ہم گذر رہے ہیں — اللہ کو یاد کر رہے ہیں

دل میں سب کے ہے چور کا ڈر — میں بیٹھ گیا ذرا سنبھل کر

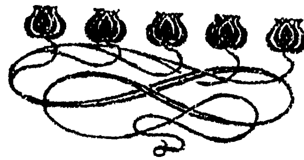
آہٹ پتوں میں کچھ ہوئی ہے — دھڑکن ہر دل کی بڑھ گئی ہے

للکار کے میں نے جب پکارا — خرگوش نکل کے ایک بھاگا

اب دل کو ہوا سکوں میسر — اللہ کی حمد ہے زبان پر

کھرکودے[1] سے اب نکل چکے ہیں — پورے دس کوس چل چکے ہیں

وہ سامنے ہین چراغ روشن — دیکھو وہ آگیا ہے الدھن



---

[1] کھرکودہ تحصیل ہاپوڑ میں ایک گاؤں کا نام ہے۔ جو میرٹھ سے دس کوس کے فاصلہ پر ہے۔

اُمّید کی دیوی

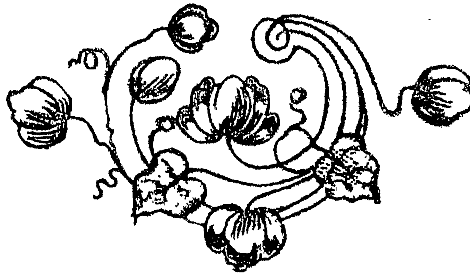
(۱)

افسردیوی رہتی ہے اک میرے دل کے مندر میں
چرچا اُس کے حسن کا پایا ہر بستی کے گھر گھر میں
سورج پر سے رات کے پردے صبح کو جب ہٹ جاتے ہیں
پھول عقیدت کے دیوی پر لوگ چڑھانے آتے ہیں
سکھیاں میری دیوی کے جب درشن کرنے آتی ہیں
دل کی امنگوں کی گنگا سے گگری بھر بھر لاتی ہیں

(۲)

میں ہوں پجاری اس دیوی کا اِس کی سیوا کرتا ہوں
اس کے مقدّس حسن سے میں دنیا میں اُجالا کرتا ہوں

صبح کو اوس کے قطروں میں جب سورج آ کے نہاتا ہے
دیوی پر اُس وقت پجاری آنسو رو کے چڑھاتا ہے
نذرِ اُمید کی دیوی کو جب داغوں کے کچھ پھول ہوئے
لب پہ تبسم لہراتا ہے گویا پھول قبول ہوئے



تہنیتِ عید

جذبۂ اشتیاق سے عید کا انتظار تھا
صبحِ اُمید آج ہے طالبِ دید کے لئے
مسلمِ زندہ دل کی آج وقف ہوئی متاعِ دل
کیفِ جدید کے لئے لطفِ مزید کے لئے
آپ سے ہمکلام ہے "عصرِ جدید"[1] آپ کا
تہنیتیں لئے ہوئے عید سعید کے لئے
کیجئے اسکی خدمتیں تحفۂ عید میں قبول
عید سعید ہے یہی "عصرِ جدید" کے لئے



---

[1] "عصرِ جدید" ایک ہفتہ وار اخبار کا نام ہے جو میرٹھ سے آنریبل خواجہ غلام الثقلین صاحب مرحوم کی ادارت میں شائع ہوتا تھا یہ اشعار اس اخبار کے عید نمبر کے لئے لکھے گئے تھے۔

بہار کے دِن

آیا ہے بہار کا زمانہ — باغوں کے نکھار کا زمانہ
کلیاں کیا کیا چٹک رہی ہیں — ساری رَوِشیں مہک رہی ہیں
ہلکی ہلکی یہ ان کی خوشبو — پھیلی ہوئی ہے چمن میں ہر سو
چڑیاں گاتی ہیں گیت پیارے — سنتے ہیں چمن میں پھول سارے
شاخوں کا بنا لیا ہے جھولا — پھولوں سے لدا ہوا ہے جھولا
کونپل ہر اک ہے کیسی پیاری — سبزی میں جھلک رہی ہے سرخی
کتنی راحت فزا ہوا ہے — گویا جنّت کا در کھلا ہے
خوش خوش ہر ایک آدمی ہے — ہر شے میں بلا کی دلکشی ہے
یہ صبح کا دلفریب منظر — یہ شام کا حسن روح پرور
یہ رات کو چاندنی کا عالم — اللہ رے بے خودی کا عالم

کیسی دلچسپ چاندنی ہے، چادر اک نور کی تنی ہے،
ہر دل میں اُمنگ کس قدر ہے سب پر ہی بہار کا اثر ہے
سڑکوں پہ جو لوگ جا رہے ہیں
غزلیں افسؔر کی گا رہے ہیں



ایک خط میں بچپن کی یاد

(لڑکیوں کے نیچرل جذبات)

خط کو تمہارے دیکھ کر پیشِ نگاہ تم ہو اب
باتیں جو بچپنے کی تھیں آگئیں یاد سب کی سب
ہائے وہ دن ہوا ہوئے باتیں ہیں سب کہانیاں
راتوں کو کون بیٹھ کر کہتا ہے اب کہانیاں
نیم کے نیچے بیٹھ کر کھیل وہ مجھکو یاد ہے
تم بھی خوش اور میں بھی خوش میل وہ مجھکو یاد ہے
ہو گئی کچھ جو چھیڑ چھاڑ تن گئے اک ذرا میں پھر
مل گئے اک ذرا میں دل من گئے اک ذرا میں پھر
کہتے تھے کس خوشی کے ساتھ بیٹھ کے دونوں پاس پاس
رنج نہ آئے اِرد گِرد فکر نہ آئے آس پاس

گڑیوں کو رات دن نئے کپڑے بنائے جاتے تھے
ہوتی تھیں روز نسبتیں بیاہ رچائے جاتے تھے

لطف عجیب رہتے تھے موسم برشگال میں
عیش نصیب رہتے تھے موسم برشگال میں

لیتے تھے جھولنے میں ہم پینگ بہت بڑے بڑے
پینگ لیا تو گر پڑے گر کے اٹھے تو ہنس پڑے

روز پڑھایا کرتے تھے راتوں کو بیٹھ کر جسے
مٹھو وہ ہائے مر گیا کوئی پڑھائے اب کسے

اب ہیں ہزاروں کاہشیں جان ہے اک وبال میں
پہلے کے لطف بھول کر آتے نہیں خیال میں

جلد جواب خط کا دو اب یہ تمہارا فرض ہے
افسرِ خوش خیال کو میرا سلام عرض ہے



ابرِ بہار

فلک پر قدم جھوم کر دھرنے والے — وہ اُٹھ کر یہ مستیاں کرنے والے
عجب شوخیاں اپنی دکھلا رہے ہیں

ہیں برسات کے ہاتھ میں ہاتھ ڈالے — جو کچھ بھورے بھورے تو کچھ کالے کالے
دلوں کو لبھاتے چلے آرہے ہیں

اِدھر سے اُدھر دوڑتے ہیں وہ پیہم — پہنچتے ہیں دم بھر میں پورب سے پچھم
ہر اک سمت فوج اپنی پھیلا رہے ہیں

ہمیشہ برابر ہیں انکے لئے سب — سحر ہو کہ ہو شام دن ہو کہ ہو شب
اُٹھی موج اور یہ چلے آرہے ہیں

جو آیا کبھی سامنے ماہِ انور، — تو پہلو میں بیٹھے ہیں اُسکو دبا کر
وہ یوں دل اداؤں سے بہلا رہے ہیں

ترشح سے گلزار کو لہلہاتے — نسیمِ مسرت سے کلیاں کھلاتے

دکہاتے ہوئے شوخیاں آرہے ہیں

ہیں واعظ جو گونگے تو قاضی ہیں بہرے
ہوئے آج میخانے والوں کے گہرے

یہ بادل عجب لطف دکہا رہے ہیں

ہوا ہے جو چلنے میں ظاہر ہے مستی
ہے مے آج ان میں سے شاید برستی

کہ جہونکے بہت جہومتے آرہے ہیں



کچھ اپنی دُھن میں

مجھ سے ناچیز کو تاثیر عطا کی مولا ۔۔۔ مورِ بے پر کو سلیمان کیا ہے تو نے
دل میں گھر کرتی ہے سینوں میں اتر جاتی ہے ۔۔۔ میری آواز کو وہ رتبہ دیا ہے تو نے
بھیجنا چاہا جو خلقت کی طرف کوئی پیام ۔۔۔ مجھ پہ اکثر وہی الہام کیا ہے تو نے
میرا محبوب ہے وہ ساقیِ والا اوصاف ۔۔۔ جام خود جسکی محبت کا پیا ہے تو نے
تیرے احکام کے پابند رہے میرے عمل ۔۔۔ گویا جو مین نے کیا ہے وہ کیا ہے تو نے
مجھ پہ افتاد پڑی ہے جو کبھی اے مولا ۔۔۔ اپنے آغوشِ حمایت مین لیا ہے تو نے

آج افسرؔ نہیں دنیا میں کسی کا محتاج
اے تری شان کہ سب کچھ ہی دیا ہے تو نے



چھڑانا شاہزادی کا پھندے سے جادوگر کے

یہ نظم غالباً کسی مثنوی کے مطالعہ کے دوران میں لکھی گئی تھی، مثنوی کا نام مجھے یاد نہیں اور نہ یہ یاد ہے کہ قصہ کیا تھا، یہ نظم میری ابتدائی مشق کا نتیجہ ہے، اسی قسم کی اور بھی اکثر نظمیں بچپن میں کہی ہیں جو سب کسی خاص جذبہ کے اثر میں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے اکثر تو ضائع ہو گئیں جس قدر دستیاب ہو سکیں اس مجموعہ میں شامل کر دیں اس میں کسی قسم کی تبدیلی نہیں کی گئی ہے یہاں تک کہ عنوان بھی وہی قایم رکھا ہے جو اس وقت قرار دیا گیا تھا،

کہاں کے جنگل میں جاؤں گا میں — وہاں شاہزادی کو پاؤں گا میں

اگر مل گیا جادوگر کا پتا — تو کر دوں گا سر اُسکا تن سے جدا

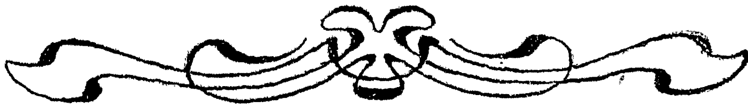
کہوں گا کہ او شاہزادی کے چور — میں دیکھوں گا اب تیرے جادو کا زور

بڑھوں گا اُدھر یا علیؑ کہہ کے جب — تو حیرت میں رہ جائیں گے سب کے سب

ہے زور اِسقدر میری تلوار میں — کہ گردن اُڑا دوں گا اک وار میں

نہ ٹونا چلے گا نہ جادو کوئی — نہیں اسکے بچنے کا پہلو کوئی

اگر مجھکو یوں فتح حاصل ہوئی | بہت شاہزادی کو ہوگی خوشی
چلیں گے اُسی وقت ہوکر سوار | کہ مغموم ہونگے شہ نامدار
محل میں جب آئیں گے جنگل سے ہم | خوشی سے بدل جائیگا سب کا غم
سناؤں گا جب اس مہم کا بیاں | کہینگے یہ تب شاہ ذی عز و شاں
جو منظور ہوا اس سے شادی تجھے | میں دیتا ہوں یہ شاہزادی تجھے
میں گردن جھکا کر کرونگا یہ عرض | کہ ہے حکمِ شہ ماننا میرا فرض



زبان

میری پیاری مری عزیز زباں　　تیرا شیدا ہوں تجھ پہ ہوں قرباں

روح کی ایلچی ہے دل کی امیں　　تیرا منصب بہت ہے عالی شاں

محرمِ راز ہے لقب تیرا　　یعنی کرتی ہے تو نہاں کو عیاں

پارۂ گوشت دیکھنے میں ہے تو　　ابر آسا مگر گہر افشاں

شاہ ہو کوئی یا گدا کوئی　　فیض ہر اک پہ ہے ترا یکساں

تیرے افسوں کی کوئی روک نہیں　　تیرے جادو کا ہے اتار کہاں

تیرے کاٹے کا ہے کہاں منتر　　تو وہ افعی کہ کہئے دشمنِ جاں

کہیں نرمی سے دل کو کھینچ لیا　　کہیں تیزی سے ماردیں چھریاں

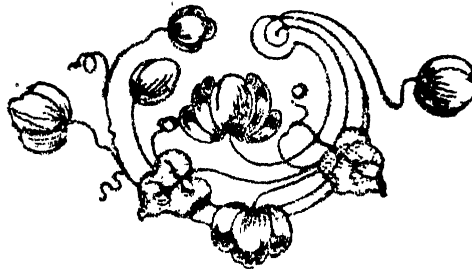
تو بناتی ہے دوست غیروں کو　　کرتی ہے دوستوں کو دشمنِ جاں

کہیں غیبت ہے تو کہیں چغلی　　تیری حالت ہو کس زباں سے بیاں

الغرض تو کبھی تو کانٹا ہے — اور کبھی صورتِ گل و ریحاں
دی ہے مجھکو جو طاقت گفتار — راست گفتار ہو الٰہی زباں
دل میں جو ہو زباں پر ہو وہی — جو نہاں ہے وہی ہو منہ سے عیاں

حالت افسر کی بے نفاق رہے
ظاہر و باطن اسکا ہو یکساں

(یہ نظم شمس العلما مولوی الطاف حسین صاحب حالی کی ایک نثر سے ماخوذ ہے)



میرا دیوان خانہ

ہائے کتنی دلکشی ہے میرے اِس دالان میں
لطف کب ہے یہ کسی کے قصرِ عالیشان میں

ہے پرانی چھت مگر مضبوط ہے اور خوب ہے
ہر کڑی ہر تختہ نظروں کو مری مرغوب ہے

میں چھپاؤں گا نہ چھتگیری سے اِسکی خوبیاں
خوب چھتگیری ہے لیکن حُسن وہ اس میں کہاں

اِسکی دیوارین ہیں اچھی اسکے در ہیں خوشنما
طاق یہ چھوٹے بڑے سب کس قدر ہیں خوشنما

اسکے سادہ حُسن کو ہرگز مٹاؤنگا نہ میں
اسکی دیواروں پہ تصویرین لگاؤنگا نہ میں

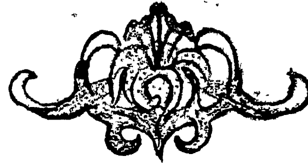
اسکا یہ چھوٹا سا آنگن اُس میں چھوٹا سا چمن
دیکھ کر جسکی طرف ہوتا ہے دل میرا مگن

اِس میں جو ہے جس طرح ہے اس سے سُکھ پاتا ہوں میں
کوئی تبدیلی اگر ہوتی ہے گھبراتا ہوں میں
مجھکو دنیا ہی میں جنّت کا پتہ دیتا ہے یہ
سچ یہ ہے میرے خیالوں کو جِلا دیتا ہے یہ
اسکا میں ہمراز ہوں اور یہ مرا ہمراز ہے
یہ مرا ساتھی ہے میرا دوست ہے دمساز ہے
رات بھر پڑھتا ہوں میں اور رات بھر سنتا ہے یہ
جاگتا ہوں میں تو گویا جاگتا رہتا ہے یہ
جب تڑپ کر چاندنی راتوں میں کچھ گاتا ہوں میں
شوق سے اِک سُننے والا پاس ہی پاتا ہوں میں
دخل اسکو کچھ نہ کچھ ہے میری ہر اک بات میں
اسکا حصّہ بھی ہے کافی میری تصنیفات میں
یہ سحر کا وقت یہ چڑیوں کا گانا اور میں
ہائے افسر یہ مرا دیوان خانہ اور میں

جوگی

وہ انگ بھبوت رمائے ہوئے ایک پنکھ پکھیرو بن باسی
وہ راکھ جٹوں میں رچائے ہوئے ایک مست قلندر سنیاسی
وہ قلۂ کوہ کو سمجھے ہوئے دنیا کے محلوں سے اعلیٰ
وہ راکھ کی پوشش جس کے لئے زریں پوشاکوں سے بالا
ہے دل میں بسا پر بھوا سکے کچھ شاہ و گدا سے غرض ہی نہیں
ہر ہر کی مالا جپتا ہے مایا کا تو کوئی مرض ہی نہیں
قانع ہے وہ اپنے داتا پر اور حرص و ہوا کو چھوڑ چکا!
اک اور ہی عالم مین ہے مگن اس نگری سے منہ موڑ چکا
پوجا نہیں کرتا تن من کی سیوا میں ہے اپنے ساجن کی
لو بھا نہیں اسکے جیو میں کچھ اب سونا چاندی کندن کی

مُنہ موڑے ہوئے دھن دولت سے وہ سوکھی روٹی میں ہے مگن
بے فکر چتا بیٹھا ہے، چھوٹی سی لنگوٹی میں ہے مگن
پریتم سے لڑی ہے آنکھ اسکی اور دلیں اسی کا ڈیرا ہے
ہر دم ہے پیا کی یاد اُسے ہے رین کہ سانجھہ سویرا ہے



جادو کی چھڑی

(دیکھو نوٹ صفحہ ۲۱)

کرتا کوئی خاک اس سے شادی — جادوگرنی تھی شاہزادی
مرضی کے خلاف جسکو پایا — جادو سے پلٹ دی اُسکی کایا
جس شخص نے کچھ مخالفت کی — جادو کی چھڑی ذرا چھوادی
پتھر وہیں ہو کے رہ گیا وہ — گویا دنیا ہی میں نہ تھا وہ
کیسے کیسے حسیں جواں مرد — آناً فاناً میں ہو گئے سرد
بے بس ہیں مگر تنے کھڑے ہیں — خاموش ہیں بت بنے کھڑے ہیں

اِسکا آتا ہے جب مجھے دھیان — دل میں اُٹھتا ہے ایک طوفان
جس مُلک کا ذکر پڑھ رہا ہوں — جی میں ہے کہ خود وہاں میں جاؤں

شہزادی کے سامنے جو پہنچوں
آیت قرآں کی پڑھ کے پھونکوں

جُھک جائے جب ہاتھ جوڑ کر وہ
اوپر کو نہ کر سکے نظر وہ

کہنے لگے "رحم مجھ پہ کھاؤ
اللہ کے قہر سے بچاؤ"

میں اس سے کہوں "الگ ہو ڈائن!
چھو جائے نہ تجھ سے میرا دامن

پہلے اپنی چھڑی اٹھا لے
تہ خانے کے کھول جلد تالے

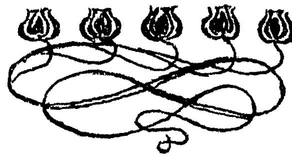
کیسے کیسے حسیں جواں مرد
تیرے جادو سے ہو گئے سرد

پتھر انہیں کر دیا ہے تو نے
کیسا یہ ستم کیا ہے تو نے

پہلے انہیں آدمی بنا تو
پھر کر کوئی مجھ سے التجا تو"

جب اپنا ہنر دکھا چکے وہ
سب کو انساں بنا چکے وہ

تب اُسکو میں کچھ نہ کچھ سزا دوں
یعنی اُسکی چھڑی جلا دوں

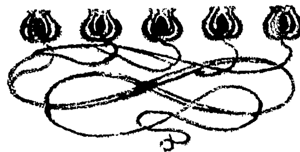


بیوہ کی عید

عید کے دن سب تو ہنستے ہیں مجھے اندوہ ہے
میرے دل پر کاہشوں کا آج اک انبوہ ہے
غم کی ماری ہوں پڑی ہے آفتوں میں میری جاں
دل کی جو حالت ہے مجھ سے ہو نہیں سکتی بیاں
ناک میں دم آگیا غم کھاتے کھاتے اے خدا
مرگئی جانے کہاں موت آتے آتے اے خدا
عید سب کو عید ہے لیکن محرم ہے مجھے
کیا کہوں کیسی جوانی میں لٹا میرا سہاگ
ہائے عشرت کے زمانے ہی میں پھوٹے میرے بھاگ
جب نہیں وہ دیکھنے والا تو بن کر کیا کروں
ہیں نئے کپڑے مگر انکو پہن کر کیا کروں

پان بھی چھوٹا سی کا منہ بھی کالا ہو چکا
اب کہاں سورج مرے گھر میں اُجالا ہو چکا
عید ہے لیکن خوشی کا آج ماتم ہے مجھے
یاد بھی مجھکو نہیں ہوتا ہے کیسا عیش اب
نام عشرت کا مجھے آتا ہے سنکر طیش اب
جب کوئی آتا ہے موقعہ شاد ہوں جس میں سبھی
عام جب کوئی خوشی دنیا میں ہوتی ہے کبھی
تازہ ہو جاتا ہے غم وہ یاد آجاتے ہیں پھر
سین وحشت کے اِن آنکھوں میں سما جاتے ہیں پھر
عید کے دن کی خوشی سب کو فقط غم ہے مجھے
ہائے میرے بھولے بچّے تکتے ہیں منہ غیر کا
سیر کون انکو کرائے آج ہے دن سیر کا
وہ نہیں تو عیدگاہ اب کون لیجائے انہیں
کون لیجا کر کھلونے آج دلوائے اِنہیں

اپنے پہلو میں بٹھائے کون انکو پیار سے
بکسی ہے ہے ٹپکتی ہے درودیوار سے
عیداور مین جل رہی ہوں گھر جہنم ہے مجھے
ہائے سنتا ہی نہیں کوئی مری فریاد کو
موت بھی آتی نہیں افسوس مجھ ناشاد کو
درد سے بیتاب ہے دل چوٹ سے زخمی جگر
بے کسوں کے حال پر کرتا نہیں کوئی نظر
کیا دکھاؤں تم کو افسر دل میں جو ناسور ہے
غم مری قسمت مین ہے اور عیش مجھ سے دور ہے
عید کی کیسی سوّیاں ہر غذا سم ہے مجھے



جامیٹری

(یہ نظم اس وقت کی ہے جب شاید میں نویں جماعت میں تھا)

جامیٹری نے مار دیا کچھ نہ پوچھئے ÷ اس سے بچائے سب کو خدا کچھ نہ پوچھئے
ہر لحظہ یہ خیال ہے کل رات سے مجھے ÷ کیا کام زاویوں کی مساوات سے مجھے
اطراف زاویوں کے برابر نہیں نہوں سطریں اگر عمود کے اوپر نہیں، نہوں
میں کیا کروں اگر یہ مثلث نہیں رہا مجھ سے غرض، اگر وہ مربّع نہیں بنا
اس بات سے مجھے تو کوئی واسطہ نہیں مرکز کو قُطر سے کوئی نسبت ہے یا نہیں
کیسی نظر کو لگتی ہیں اس سے غرض نہیں دو چار اُلٹی سیدھی لکیریں سی کھنچدیں
اُس پر یہ ضد کہ اِنکا مہیا کرو ثبوت اب ہائے ہم ہیں اور یہ جامیٹری کا بھوت
ہیں کام اور اس سے زیادہ مفید بھی دنیا میں فائدہ کی ہے جن سے امید بھی
سوجھا کسی کو ہے یہ خدا جانے کیا مذاق جس سے غریب طالبِ علموں کے دل ہیں شاق

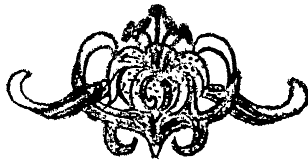
بچپن کے دِن

اے... بچپن کے دن بچپن کی راتیں یاد ہیں
بیٹھ کر کرتے تھے جو باتین وہ باتیں یاد ہیں
اب نہیں آراستہ ہوتی خیالوں کی وہ بزم
ہائے وہ بچپن کے منصوبے وہ تجویزیں وہ عزم
وہ دعائیں اتّحادِ باہمی کے واسطے
گفتگوئیں وہ وطن کی بہتری کے واسطے
سادگی کے بے غمی کے اور بھولے پن کے دن
ہائے وہ بچپن کی راتیں اور وہ بچپن کے دن
چاندنی اب بھی ہے لیکن وہ زمانا اب کہاں
وہ مرا بے چین ہونا اور وہ گانا اب کہاں

ہائے وہ گرمی کا موسم وہ مئی کی دوپہر
ہائے وہ فیضی کی گیتا اور وہ اس کا اثر

میں بھی ہوں دیوانِ حافظ بھی ہے لیکن ہمنشیں
وہ سکونِ دل وہ راحت اور وہ بے فکری نہیں

اب نہ وہ باتیں نہ وہ راتیں نہ وہ نازونعم
اب تو افسرؔ زندگی کی کشمکش ہے اور ہم

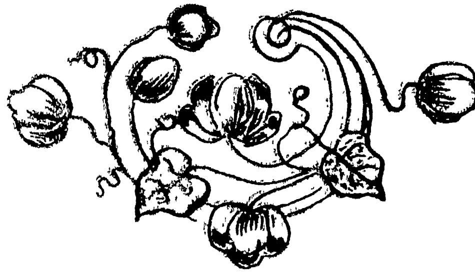


میرٹھ

اچھا ہوئے کو کل جہاں ہے — میرٹھ کی سی دلکشی کہاں ہے
ہے شہر یہ دلفریب ایسا — ملکوں ملکوں ہے اسکا چرچا
سڑکیں اسکی ہیں پیاری پیاری — گلیاں رہتی ہیں صاف ساری
اسکے گلزار خوبصورت — اسکے بازار خوبصورت
اسکا ٹاؤن ہال پیارا — پھولوں سے لدا ہوا ہے سارا
اسکی یہ دوب یہ ہرے لان — دیکھے تو ہو خوش ہر ایک انسان
باشندے ہیں نیک اور خوشخو — ہے خُلق کا جنکے شور ہر سو
باہمت و سربلند ہیں سب — خوش پوش و سلیقہ مند ہیں سب
تاجر معقول ہیں یہاں کے — شاعر مقبول ہیں یہاں کے
کیونکر تعریف ہو زباں کی — اردو ہے مستند یہاں کی

میرٹھ کا حُسن بھی ہے مشہور — ہے حُسن سے سارا شہر معمور
ایسے ایسے حسیں یہاں ہیں — جو حُسن کی جان بے گماں ہیں
ہے آب و ہوا میں اسکی جادو — صحت کا ہے اسکی شور ہر سو

میں پھول ہوں اسکا یہ چمن ہے
افسرؔ میرٹھ مرا وطن ہے



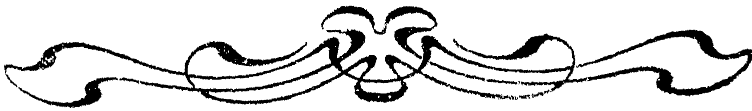
چاند

تم ندّی پر جاکر دیکھو
جب ندّی میں نہائے چاند
ڈبکی لگائے غوطے کھائے
ڈر ہے ڈوب نہ جائے چاند

کرنوں کی اک سیڑھی لے کر
چھم چھم اُتر آئے چاند
جھولے میں پانی کی لہروں کے
کیا کیا پینگ بڑھائے چاند
ہنس ہنس کر ندّی کے اندر

روتوں کو بھی ہنسائے چاند،
جب تم اس کو پکڑنے جاؤ
بادل میں چھپ جائے چاند
پھر چپکے سے نکل کر دیکھے
اور پھر خود کو چھپائے چاند

اب ہالے میں چپ بیٹھا ہے
کیا کیا روپ دکھائے چاند
چاہے جدھر کو جاؤ افسرؔ
ساتھ تمہارے جائے چاند



سکوتِ شام

سکوتِ شام ہے خاموش بستی ہوتی جاتی ہے
موذّن کی صدا ہلکی ہوا کے ساتھ آتی ہے
صبا پتّوں سے مل مل کر سہانے گیت گاتی ہے
کہ اب درماندہ دن کو رات پہلو میں سُلاتی ہے
سرور و انبساط و لطف کے ہمراہ شام آئی
نویدِ امن و راحت لائی پیغامِ سکوں لائی
شفق پھولی فلک پر سرخ بادل کچھ نظر آئے
یہ کیسے لال دیوا للہ دیواروں کے سر آئے
چمن کی سیر کر کے لوگ اپنے اپنے گھر آئے
چھتیں سونی پڑی ہیں کھیل کر بچّے اتر آئے

چراغ اب رفتہ رفتہ ہو چلے روشن مکانوں میں
بسیرے کے لئے جاتی ہیں چڑیاں آشیانوں میں
بجا گھنٹہ شوالے میں پجاری نے بھجن گایا
عبادت اور موسیقی نے ہر سو کیف پھیلایا
عقیدت نے بتوں میں بھی خدا کا حسن دکھلایا
کچھ ایسا درد تھا آواز میں دل سن کے بھر آیا
خموشی میں یکا یک گونج اٹھے دیوار و در سب ہی
سڑک پر چلنے والے جھوم کر گانے لگے خود بھی
سیہ پوش ہوتا جاتا ہے جہاں آہستہ آہستہ
اندھیرا ہو چلا ہے حکمراں آہستہ آہستہ
مٹا جاتا ہے اب دن کا نشاں آہستہ آہستہ
لئے آتی ہے شب امن و اماں آہستہ آہستہ
خموشی چھا رہی ہے شور و غل کم ہوتا جاتا ہے

اُجالا گھٹ چلا تاریک عالم ہوتا جاتا ہے
ملاحت ہر طرف پھیلی ملاحت ہر طرف چھائی
کہ ہلکے ہلکے کالے رنگ کی چادر میں شام آئی
پیامِ امن و راحت ساری دنیا کے لئے لائی
مگر افسر مری ہر شام ہے اک شامِ تنہائی
سکون و خامُشی کا دورہ از مہ تا بہ ماہی ہے
جہاں میں ایک میں ہوں اور اک شب کی سیاہی ہے



بھارت پیارا بھارت پیارا

آنکھوں کا ہے تارا بھارت　　دلکا اپنے سہارا بھارت
نیارا سب سے ہمارا بھارت　　پیارا بھارت پیارا بھارت

بھارت پیارا بھارت پیارا

پیارے پھول اور پھل بھارت کے　　پیارے سب جنگل بھارت کے
پیارے آج اور کل بھارت کے　　پیارے جل اور تھل بھارت کے

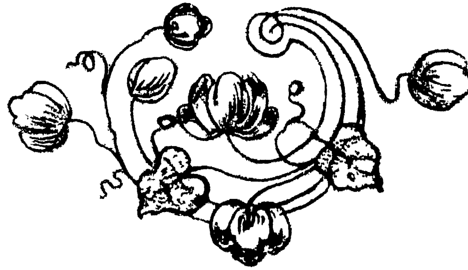
بھارت پیارا بھارت پیارا

کتنا بڑا ہے پہاڑ ہمالہ　　جگ کے پہاڑوں سے ہے نرالا
دیو ہو جیسے کالا کالا　　رکھشا دیش کی کرنے والا

بھارت پیارا بھارت پیارا

آؤ سب کے دل بہلائیں   امیدوں کے پھول کھلائیں
اپنے دیش کے ہم گن گائیں   سب مل کر یہ گیت سنائیں

بھارت پیارا بھارت پیارا



میرا نیم

میرے اچھے نیم[1] میرے بچپنے کے غمگسار
اُف ہے کتنی روح افزا تیرے سایہ کی بہار
تجھ سے اور ہر جزو سے تیرے محبت ہے مجھے
میرا بچپن گود میں گذرا ہے سایہ کی ترے
چھت پہ جا کر جب تری شاخوں کو چھو لیتا تھا میں
کام وہ تھا یہ کہ جسکا شور کر دیتا تھا میں
ایک بھی تیری نبولی ضائع کرتا تھا نہ میں
تھا بوا[2] کا ڈر کہ دامن اِن سے بھرتا تھا نہ میں

---

[1] میرے گھر میں ایک نیم کا درخت تھا، یہہ نظم اُسی نیم کے متعلق ہے، لفظ "نیم" اور "نیب" آجکل دونوں مستعمل ہیں اصل لفظ "نِنب" یا "نیمب" تھا

[2] والدہ سے مراد ہے، ہمارے خاندان میں "ماں" کو بچے بوا کہہ کر مخاطب کرتے ہیں

تھے یہ میرے آم ان آموں کا سوداگر تھا میں
کچھ نہ تھا گو پاس لیکن پھر بھی اہلِ زر تھا میں
خوش نما خوش ذائقہ خوش رنگ تھے کم دام تھے
سچ یہ ہے احمدؔ[1] کے آموں سے یہ اچھے آم تھے

تیرے پتّے توڑنے والے مجھے بھاتے نہ تھے
تھی جنہیں پتّوں کی حاجت میرے گھر آتے نہ تھے
وہ سحر کے وقت کی ہلکی ہوائیں اور تو
ہائے وہ برسات کی کالی گھٹائیں اور تو
جھولتا تھا جب ترے گدّوں میں جھولا ڈال کر
یاد بھی ہے تو خوشی سے جھومتا تھا کس قدر

---

[1] احمد ایک میوہ فروش کا نام ہے، احمد ہمارے یہاں اکثر آم فروخت کرنے آیا کرتا تھا۔

ہائے وہ برسات آتے ہی سنور جانا ترا
مینہ کے پانی میں نہا دھو کر نکھر جانا ترا
کاش ہوں پھر سب وہی باتیں وہی تو اور میں
پھر وہی دن ہوں وہی راتیں وہی تو اور میں



رباعیات

(۱)

اے بود کو نابود بنانے والے
اے نیست کو ہست کر دکھانے والے
پا ہی نہ سکے بھید تری قدرت کا
ڈھونڈا ہی کئے کھوج لگانے والے

(۲)

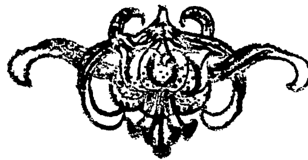
یہ بادِ مخالف یہ زبان سے کے آثار
خاموش خدا ہے ناخدا ہے ناچار
افسرؔ ہو جہاں مین کیا سکوں کی امید
ہے بحرِ حیات لاکھ طوفاں بکنار

(۳)

حوریں بھی وہی ہیں حسنِ صوری ہے وہی
ہر شخص ہے خوش کہ غم سے دوری ہے وہی
کشمیر تو ہے نظیرِ جنّت کی مگر
جنّت جسے کہتے ہیں مصوری ہے وہی

(۴)

پیدا لاکھوں شرر کریگی دل میں
کیا ہی ہو دل اثر کریگی دل میں
اس آہ کو بیکار نہ سمجھو افسر
دل سے نکلی ہے گھر کریگی دل میں



(۵)

لالا کے ہزار غم دھرے گی دل میں
طوفاں لاکھوں بپا کرے گی دل میں
جائے گی کہاں نکل کے دل سے حسرت
دل میں پیدا ہوئی مرے گی دل میں

(۶)

لب پر مرے درد کی کہانی آئی
طوفانِ محبّت کی نشانی آئی
گر ہوش میں ہو تو دل سے اتنا پوچھوں
یہ حشر اٹھا ہے یا جوانی آئی



(۷)

باقی نہیں اب وہ خوش بیانی میری
اک قصۂ درد ہے کہانی میری
افسردہ ہے دل آخر شب اے افسر
بجھتی ہوئی شمع ہے جوانی میری

(۸)

خود سے بیزار ہے جوانی میری
مجھ پر اک بار ہے جوانی میری
ڈوبا جاتا ہے دل مرے سینے میں
طوفاں بکنار ہے جوانی میری



غزلیات

۱

اب طور پر نہیں کوئی دیوانہ آپ کا — اب سنئے ہم سناتے ہیں افسانہ آپ کا
ہیں شمع کے جمال کے پروانے بیشمار — اور شمع کا جمال ہے پروانہ آپ کا
حیرت سے خود کو دیکھئے اسکو نہ دیکھئے — دیوانہ آپ کا ہے یہ دیوانہ آپ کا
اپنا بیان اپنی حکایت سناتے ہیں — ہم اس طرح بھی کہتے ہیں افسانہ آپ کا

افسر جہاں ہو بے پئے اس درجہ بےخودی
کیا جانے کیسا ہوگا وہ میخانہ آپ کا

۲

کوئی فریاد رس مظلوم کا ہوتا تو کیا ہوتا
کسی بیکس کا بھی کچھ آسرا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اس حالت پہ جینا کر دیا دو بھر خدائی کا
خدا ہی جانے وہ بُت گر خدا ہوتا تو کیا ہوتا

جب اتنا پاس ہونے پر بھی اسکو ڈھونڈتے ہیں ہم
خدا جانے اگر کچھ فاصلہ ہوتا تو کیا ہوتا

تصوّر میں کسی کے محو تھے ہم رات اے افسرؔ
اگر ایسے میں کوئی آگیا ہوتا تو کیا ہوتا

۳

صحرا سے ہوتا ہوں گذر کر جب میں چمن کو جاتا ہوں
رکھتا ہوں انجام نظر میں یوں وحشی کہلاتا ہوں

تم جب دل کو دکھاتے ہو تو آنکھوں پر بس کسکا ہی
تم طوفان اٹھاتے ہو یا میں طوفان اٹھاتا ہوں

تجھ سے چھوٹے ظاہر میں تو یہ مانا مدّت گذری
اب بھی پہروں یاد سے تیری بیٹھا جی بہلاتا ہوں

دلّی اُف وہ دلّی! افسرؔ ہائے نہ پوچھو تم مجھ سے
دل پر چوٹ سی لگتی ہے اس بستی میں جب آتا ہوں

۴

تختۂ مشقِ جفا دہر میں ہم ہوتے ہیں — خلق میں ایسے الم کیش بھی کم ہوتے ہیں
اب کس امید پہ ہو لطف کا خواہاں کوئی — کہ ترے لطف کے پردے میں ستم ہوتے ہیں
جبہ فرسا وہ درِ غیر پہ ہونگے نہ کبھی — سر جو اللہ کے دربار میں خم ہوتے ہیں

اپنے محسن پہ دل و جان فدا ہے افسرؔ
بندۂ مہر و وفا ایسے بھی کم ہوتے ہیں

۵

بہت دوست ہیں یوں تو بہکانیوالے — کہاں ہیں بُرے وقت کام آنیوالے
تصوّر ہی سے میری تسکین کیا ہو — تصوّر میں او بار بار آنیوالے
کیا رہن مے شیخ جی کا عمامہ — بڑے ہی وہ ہوتے ہیں میخانیوالے
نگاہِ کرم اپنے مایوس پر بھی — غریبوں کے ارمان بر لانیوالے

کبھی میں جو پی پا کے اُٹھتا ہوں افسرؔ
مُجھے کُچھ سمجھتے ہیں میخانیوالے

۶

کچھ دن ضرور ایسے آتے ہیں ہر برس میں
دل تھام تھام کر ہم رہ جاتے ہیں قفس میں
تھا ایک لفظ کافی گر اعتماد ہوتا
قسموں سے کیا نتیجہ کیوں کھا رہے ہو قسمیں
جتنا اُنہیں بھلاؤں یاد اور آتے ہیں وہ
یوں بھی نہ ہو الٰہی کوئی کسی کے بس میں
افسرؔ یہ نعمتیں اب گھر میں کہاں میسر
کیفیتیں تھیں کیا کیا خیزگل کے خار و خس میں

۷

تمہیں آنکھوں میں رکھ کر میں سمجھتا تھا نہاں تم ہو
خبر کیا تھی کہ ان میں بھی میانِ مردماں تم ہو
تصوّر میں، تخیّل میں، تفکر میں، تو ہمّ میں

۵۷

مری ہر ایک حالت مین غرض جلوہ فشاں تم ہو

تباہی سے مری اب بھی نشاں اتنا تو ملتا ہے

کہ خود کو کھو کے پایا ہے جسے وہ بے نشاں تم ہو

مری کیا پوچھتے ہو کشتۂ طرزِ جفا میں ہوں

تمہاری کیا صفت ہو چارۂ دردِ نہاں تم ہو

میں واقف ہوں مگر اتنا ہی اپنے جذب الفت سے

کہ میری جاں ہے ارمانوں میں ارمانوں کی جاں تم ہو

غنیمت ہے ذرا سی دیر کا مل بیٹھنا افسر

خدا معلوم بھائی پھر کہاں ہم ہوں کہاں تم ہو

۸

نہ تم جب تک پلاؤ لطف حاصل ہو نہیں سکتا

میسر جم کو میرا ساغرِ گل ہو نہیں سکتا

نہ ہو جس میں ترا سودا اُسے سر کہہ نہیں سکتے

نہ جس دل میں تیرا درد وہ دل ہو نہیں سکتا

تڑپنے کا مزا جاتا رہیگا خاک میں مل کر

سکونِ موت بھی مرغوبِ بسمل ہو نہیں سکتا

لحد کی تیرگی سے کس طرح باہر نکل آؤں

مسافر رات کو بیرونِ منزل ہو نہیں سکتا

مجھے دھوکا نہ دے تو اے تصوّر اُنکے آنے کا

میں غافل ہوں مگر اتنا تو غافل ہو نہیں سکتا

وہ کہتے ہیں اگر ہوتا ہے دل ایسا ہی اے افسر

تو میں جس گھر میں رہتا ہوں وہ گھر دل ہو نہیں سکتا

۹

کیوں اثر کچھ تیرا اے آہِ رسا ہوتا نہیں

کیوں ہمارا وہ بتِ نا آشنا ہوتا نہیں

آئے ہیں میّت پہ میری اب وہ یہ کہتے ہوئے

اب نہ کہدینا ترا وعدہ وفا ہوتا نہیں

اب مریضِ غم کے بچنے کی نہیں کوئی امید
دردمنت گیرِ تاثیرِ دعا ہوتا نہیں

دیکھہ آتی ہے تمہارا روئے مہرا فروز یہ
آنسوؤں سے تر جو دامانِ صبا ہوتا نہیں

کیا کروں اے دل تری حرماں نصیبی کا علاج
اب اثر بھی ہمدمِ دستِ دعا ہوتا نہیں

چھاؤں نے دامن سمیٹا مہر منہ تکنے لگا
کوئی غربت میں کسی کا آشنا ہوتا نہیں

ڈھونڈنے دیر و حرم میں کیا گئے ہیں اہلِ دل
دل میں اپنے ڈھونڈ لیتے دل میں کیا ہوتا نہیں

اب تو دے دے اے خدا میری دعاؤں میں اثر
وہ سمجھتے ہیں غریبوں کا خدا ہوتا نہیں

نعش پر میری وہ افسر کہہ رہے ہیں بار بار
تم تو کہتے تھے کہ میں تم سے خفا ہوتا نہیں

۱۰

غضب ہے ابتدائے عشق میں بدنام ہو جانا
مرے آغاز ہی کا ہائے یہ انجام ہو جانا
نہیں آساں ہماری آہ کا ناکام ہو جانا
ذرا ہشیار اب اے چرخ نیلی فام ہو جانا
کھلے بالوں ترا رونق فزائے بام ہو جانا
ہے دن کا رات بن جانا، سحر کا شام ہو جانا
وہ گھبرا کر کسی کا پھر جنوں کو کوسنے دینا
وہ پھر لب پر مرے جاری کسی کا نام ہو جانا
اُدھر تیرا عیادت کے لئے غفلت شعار آنا
ادھر لبریز میری زندگی کا جام ہو جانا

بس اے وحشت سنبھلنا ادلیں اک نازآفریں بھی ہے
یہ تنہائی یہ صحرا اور اسپر شام ہوجانا
سنا ہے اب تو انکی بزم میں بھی ذکر ہوتا ہے
مرے کام آگیا آخر مرا بد نام ہوجانا
ترا یوں مجھ سے نظریں پھیر کر خاموش رہ جانا
مرا محوِ خیالِ گردشِ ایام ہوجانا
خدا معلوم کیا کیا رنگ لائیگا سرِ محفل
تمہارا لذّت اندوزِ مئے گلفام ہوجانا
وہ کیوں آنے لگے اب پرسشِ حالِ دل وجاں کو
ہے مرجانے سے بھی بدتر مجھے آرام ہوجانا
سنا ہے تم ہی خود کہتے ہوئے ڈرتے ہولے افسرؔ
وگرنہ بات ہی کیا تھی تمہارا کام ہوجانا

۱۱

سچ تو یہ ہے صبح کی ہے یادِ روئے یار نے　　رات کاٹی ہے خیالِ ابروئے خمدار نے

خواب ہی میں دیکھ تو لیتے کسی صورت انہیں　　بخت کو خفتہ کیا اس دیدۂ بیدار نے

ساتھ مایوسِ تمنّا کا نہ چھوڑا یاس نے　　ایسی غمخواری نہ کی ہو گی کسی غمخوار نے

بیخودی سے پُر ہے اور مستی سے ہے سرشار رات　　اپنی جھوٹی اسکو دیدی ہے کسی مئخوار نے

ہم گنہگاروں کا پرساں حال تک کوئی نہ تھا　　ڈھک لیا دامن میں اپنے رحمتِ غفّار نے

لاکھ تکلیفیں نہاں اک راحتِ دنیا میں ہیں　　خارزاری کی صفت پائی ہے اِس گلزار نے

یاس بھی ہے آس بھی ہے حسرت و ارمان بھی　　لطف کیسے کیسے بخشے ہیں خیالِ یار نے

ناامیدی ہی شبِ فرقت میں اک غمخوار تھی　　کھو کے چھوڑا اِسکو بھی آخر ترے اقرار نے

ہے دعا افسرؔ کہ کچھ موزوں نتیجہ بھی رہے

پالیا ہے کالجوں میں دخل اب اشعار نے

۱۲

کچھ تمہیں اپنا کیا کچھ دل کو اپنا کرلیا　　آفریں ہم پر جہاں میں ہم نے کیا کیا کرلیا

مین نے دیکھا رات بھر تاروں نے ڈھونڈا ہے تمہیں
آنکھ کے تارے مین آ کر تم نے پردا کر لیا

ایک مین ہون جس نے اپنوں کو کیا بیگانہ خو
ایک وہ بھی ہیں کہ بیگانوں کو اپنا کر لیا

سامنا انکی نظر کا یوں نہ کرنا تھا مجھے
میں نے خود ہی اپنے دل میں درد پیدا کر لیا

رات میرے ساتھ رویا آسماں تارے گرے
میں نے بھی تم سا ہی اک ہمدرد پیدا کر لیا

سامنے جب آ گیا وہ رشکِ مہرِ نیم روز
میرے دل پر آرزو نے اپنا سایہ کر لیا

کر دیا مجبور افسر کیا کہوں کس نے مجھے
میں نے بھی آخر دکن آنے کا وعدہ کر لیا

۱۳

اب دل میں تیرے تیر کا پیکاں نہیں رہا
کیونکر جیوں کہ زیست کا ساماں نہیں رہا

گردوں کی سمت دیکھ کے رخصت ہوا مریض
جب کوئی اسکے حال کا پرساں نہیں رہا

تاروں نے کر دیا تری وحشت کا راز فاش

اے رات تیرا حُسن بھی پنہاں نہیں رہا
مجھ پر تو تیری آنکھ نے پھر کر غضب کیا
میں لطف گیرِ گردشِ دوراں نہیں رہا
فصلِ بہار کی مری وحشت نے دی خبر
اب دل سنبھالنا مجھے آساں نہیں رہا
اے یاس تو نے آکے سہارا دیا مجھے
جب کوئی میرے حال کا پرساں نہیں رہا
پچھلے پہر شکست کی آواز آئی ہے
ٹوٹا ہے دل کہ ضبط کا امکاں نہیں رہا
اب دل میں تیرے تیر کے پیکاں کی یاد ہے
گو دل میں تیرے تیر کا پیکاں نہیں رہا
ہنستے ہیں پھول زخم پہ دشمن ہے باغباں
گلشن میں جی بہلنے کا ساماں نہیں رہا

جو درد تو نے جس کو دیا واہ رے اثر
اُس درد کا جہان میں درماں نہیں رہا
وحشت بھری نگاہ نے ویران کر دیا
اب کیا کروں وہ رنگِ گلستاں نہیں رہا
حسرت نے بے کسی میں کفن بن کے ڈھک لیا
اب لاشہ مجھ غریب کا عریاں نہیں رہا
افسرؔ مشاعروں میں ہے کیوں میری جستجو
میں تو مشاعروں میں غزلخواں نہیں رہا

۱۴

دل کے زخموں سے چمن میں شور برپا کر دیا
میں نے پھولوں میں ہنسی کا تیری چرچا کر دیا
اپنی وحشت اپنی بدنامی کا مجھکو غم نہیں
اِسکا رونا ہے کہ میں نے تجھکو رسوا کر دیا

پھر مریضِ غم نہ بولا دیکھ کر ظالم تجھے
آنکھوں ہی آنکھوں میں یہ کیا کہہ دیا کیا کر دیا
سامنے تم آ گئے میں دل پکڑ کر رہ گیا
میری قسمت سے وہ لانے درد پیدا کر دیا
ہائے اب کوئی ٹھکانا آرزوؤں کا نہیں
دل کی بستی لوٹ لی ظالم نے یہ کیا کر دیا
چاندنی کا رات اک دریا بنایا ماہ نے
موتیوں سے میں نے پُر رو رو کے دریا کر دیا
میری میّت پر وہ آیا سب ہوئے محوِ جمال
موت کو بھی میری ظالم نے تماشا کر دیا
اب شعاعِ حسنِ پرانوار ہے نظارہ سوز
تیری اِس بے پردگی نے خود ہی پردا کر دیا
وحشت گردی کی بدولت چار تنکے چن لئے

آشیاں کا میری وحشت نے سہارا کردیا

کیا صدا تھی سننے والے دل پکڑ کر رہ گئے

تیرے نالوں نے تو آفسر حشر برپا کردیا

۱۵

رونقوں پر ہیں بہاریں ترے دیوانوں سے

پھول ہنستے ہوئے نکلے ہیں نہاں خانوں سے

لاکھ ارمانوں کے اجڑے ہوئے گھر ہیں دل میں

یہ وہ بستی ہے کہ آباد ہے ویرانوں سے

لالہ زاروں میں جب آتی ہیں بہاریں ساقی

آگ لگ جاتی ہے ظالم ترے پیمانوں سے

اب کوئی دیر میں الفت کا طلبگار نہیں

اُٹھ گئی رسمِ وفا ہائے صنم خانوں سے

پاس آتے گئے جس درجہ بیابانوں کے

دور ہوتے گئے ہم اور بیابانوں سے
اب کے ہمراہ گذاریں گے جنوں کا موسم
دامنوں کی یہ تمنا ہے گریبانوں سے
اس زمانے کے وہ مے نوش وہ بدمست ہیں ہم
پارسا ہو کے نکلتے ہیں جو میخانوں سے
ہائے کیا چیز ہے کیفیت سوز الفت
کوئی پوچھے یہ ترے سوختہ سامانوں سے
پھر بہار آئی جنوں خیز ہوائیں لیکر
پھر بلاوے مجھے آتے ہیں بیابانوں سے
خاک کس مست محبت کی ہے ساقی ان میں
کہ مجھے بوئے وفا آتی ہے پیمانوں سے
غیر کی موت پہ وہ روتے ہیں اور ہم افسر
زہر پیتے ہیں چھلکتے ہوئے پیمانوں سے

۱۶

اتنے ساتھی اتنے ہمدم ہوگئے سارے درہم وبرہم

کون بتائے کون کہاں ہے، کس سے پوچھیں کس کی خبر ہم؟

راہ کٹھن ہے منزل بھاری، سر پہ کھڑی ہے رات اندھیاری

کون سنے آواز ہماری، بھول گئے ہیں راہ گذر ہم

ڈھونڈنے والے ڈھونڈ کے ہارے، بیٹھ رہے تھک تھک کر سارے

کھوئے گئے دنیا سے سدھارے، کس کو سنائیں اپنی خبر ہم

لطفِ سکوں تھا کیف اماں تھا، امن کی بستی سارا جہاں تھا

یہ دنیا کا رنگ کہاں تھا، آج ہے دنیا درہم وبرہم

بھول گئے جب رستہ افسرؔ موت ملی تب رہبر بنکر

ہر پھر کر اک مدت در در آخر آگئے اپنے گھر ہم



۱۷

تری محفل سے جاتا ہوں مگر مجبور جاتا ہوں
چھپائے دل میں اک رستا ہوا ناسور جاتا ہوں

تعلق کچھ تو اہلِ درد آپس میں بھی رکھتے ہیں
میں ہر مایوس کے ہمراہ تھوڑی دور جاتا ہوں

سہارا موت کا کچھ کم نہیں ہے ناتوانی میں
الٰہی آج اک کروٹ میں کتنی دور جاتا ہوں

لگا دے آگ شاید گرمیِ تقریر زاہد کی
صراحی میں لئے افشردۂ انگور جاتا ہوں

حدوں کی قید سے آزاد ہے تخئیل کی رفعت
میں تیری جستجو میں طور سے بھی دور جاتا ہوں

ہوں یکسر آہ کچھ ضبط فغاں حد ہے اے افسر
میں اسکی بزم میں بن کر صدائے صور جاتا ہوں

۱۰

اتنا سا دل تھا جوشِ فراواں لئے ہوئے
دو اشک ساتھ آئے ہیں طوفاں لئے ہوئے

جاتا ہوں اسکے گھر دلِ ویراں لئے ہوئے
گلزار کو چلا ہوں بیاباں لئے ہوئے

دل میں ہوں تیرے تیر کا پیکاں لئے ہوئے
ہوں قبر میں بھی زیست کا ساماں لئے ہوئے

ہر خارِ کو چمن نسبی کا ہے ادّعا
گل ہی نہیں ہیں رنگِ گلستاں لئے ہوئے

تڑپا رہا ہے زلفِ سیہ فام کا خیال
اُٹھا ہوں رنجِ خواب پریشاں لئے ہوئے

کیا حسرتیں تھیں ہائے کہ مر مر کے رہ گئیں
گویا ہوں دل میں گورِ غریباں لئے ہوئے

اللہ رے مریضِ محبت کی زندگی
کہتے ہیں تیرا درد ہے درماں لئے ہوئے

یہ ہے ستم نصیبوں کی رودادِ مختصر
محفل سے اُٹھ گئے غمِ پنہاں لئے ہوئے

وزدیدہ و خموش نظر کا ہو شکر کیا
در آئی دل میں پرسشِ پنہاں لئے ہوئے

اللہ رے جنوں کی یہ ذرّہ نوازیاں
بیٹھا ہوا ہوں دل میں بیاباں لئے ہوئے

افسرؔ میں یہ دکھاؤنگا دنیا کو عنقریب
اردو ہے کیسے کیسے سخنداں لئے ہوئے

۱۹

جو ملتے وہ تو اتنا پوچھتا میں ۔ کہ تم ہو بے وفا یا بیوفا میں؟
یہ حالت ہو گئی مرنے ہی میرے ۔ کبھی دنیا ہی میں گویا نہ تھا میں

خدا جانے وہ سمجھے یا نہ سمجھے اشاروں میں بہت کچھ کہہ گیا میں
مسافر بنکے آخر یہ کھلا راز ہوں منزل میں سفر میں رہنما میں
سرِ منزل ہمارا قافلہ ہے کہاں اللہ جانے رہ گیا میں
سنا ہے مجھ میں خود موجود تھا وہ خبر ہوتی تو خود کو پوچھتا میں
وہ کہتے ہیں کہ اب باقی رہا کیا مٹایا تم نے دلکو دل میں تھا میں
زمانہ ڈھونڈتا ہے مجھکو افسرؔ
خدا جانے کہاں کھویا گیا میں

۲۰

کچھ قطعِ منازل کی نہیں فکر سفر میں
ہر گام پہ منزل ہے تری راہ گذر میں
سودا مرے سر میں ہے جنوں میری نظر میں
جنگل مرے گھر میں ہے بیاباں مرے گھر میں
دی سوزِ محبت کو وہ تاثیر خدا نے

ہر آہ کو ڈوبا ہوا پاتا ہوں اثر میں

اے وہ ادلِ وحشی میں بھری جس نے محبت
دنیا تری ویران ہے صحرائے نظر میں

للہ یہ تم دیکھنے والوں سے نہ پوچھو
کیا چیز ہو تم دیکھنے والوں کی نظر میں

صورت وہ ہستی کا تجسس ہے بشر کو
ہر چند کہ خود جلوہ نما ہے وہ بشر میں

ہر اشک کے قطرے میں ہے تصویر تمہاری
عکاس تمہارا ہے کوئی دیدۂ تر میں

دنیا کے مصائب کی ہو کس منہ سے شکایت
ملتا نہیں آرام مسافر کو سفر میں

شاید اثرِ سوزِ محبت ہے کچھ افسر
شعلے میں پتنگے میں شرارے میں شرر میں

۲۱

اک دیو آسماں کا سینہ کھرچ رہا ہے — یا بادلوں میں بجلی کا شور مچ رہا ہے
مقبول کیوں نہ ہونگی میخانے کی نمازیں — گو دل ہے غرق لیکن دامن تو بچ رہا ہے
کیفیتوں سے خالی کب ہے غلط بیانی — گو کامیاب اکثر دنیا میں سچ رہا ہے

۲۲

باش اے دلِ خوں گشتۂ پیکانِ تمنّا
دھبّہ یہ نہیں در خورِ دامانِ تمنّا
اب تاب [illegible] نہیں دل کو لبِ کشمکشِ غم
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ تمنّا
کیوں توڑ رہا ہے مرے آئینۂ دل کو
تکتے ہیں تجھے دیدۂ حیرانِ تمنّا
یہ ڈھونڈ رہا ہے رہِ الفت میں کسی کو
ہے داغِ دلِ مہ، گلِ بستانِ تمنّا

بنکر شفقِ شام ہے پابوسِ مہِ نو
روشن ہوئی یوں خاکِ شہیدانِ تمنّا

اِس خواب کی تعبیر ہے طولِ شبِ فرقت
ہے زلف سیہ خوابِ پریشانِ تمنّا

نورِ دلِ تاریک تھی اب مٹ گئی حسرت
خاموش ہوئی شمع شبستانِ تمنّا

حسرت کدۂ غم دلِ مایوس ہے میرا
آ ما جگہ یاس ہے ایوانِ تمنّا

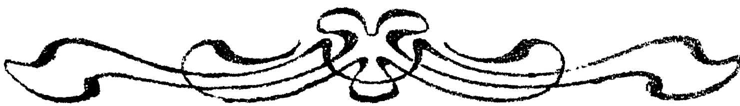
وسعت وہ صد شوق ہوا جذبۂ وحشت
ہے میرا دلِ تنگ بیابانِ تمنّا

پھر سوزِ دروں آج فزوں تر ہوا قیصر
دل پھونک نہ دے آتشِ پنہانِ تمنّا

۲۳

یہ ہستیِ دل اس پہ یہ طوفانِ تمنّا — اللہ رے اے جوشِ فراوانِ تمنّا
دنیا میں ہوں میں سوختہ سامانِ تمنّا — دل ہے مرا اک خانۂ ویرانِ تمنّا
برباد ہوا آج کسی کا دلِ وحشی — ہے خاک بسر کوچۂ ویرانِ تمنّا
جز خواب نہیں صبحِ امیدِ دلِ مایوس — جز وہم نہیں مہرِ درخشانِ تمنّا
اک حسرتِ محبوس ہے سرنامۂ الفت — دردِ دلِ وارفتہ ہے عنوانِ تمنّا
حسرت بھی ہے، نومیدی بھی ہے یاس بھی غم بھی — دلدوز ہیں اجزائے پریشانِ تمنّا
یا لاش کو لوگوں نے لپیٹا ہے کفن میں — یا خواب میں ہوں میں تہِ دامانِ تمنّا

افسرؔ مری وحشت کا تقاضا تو یہی ہے
ہوگا نہ رفو چاکِ گریبانِ تمنّا



۲۴

آسماں نظروں میں یوں لائیگا مشکل سے مجھے
کام لینا ہی پڑیگا نالۂ دل سے مجھے

داغہا ئے دل نہوں کیونکر سوا دل سے مجھے
پھول یہ تم نے دئے ہیں اپنی محفل سے مجھے

تم سا بے پرواہ رہا کرتا یہ کیا امید تھی
موت نے آکر نکالا ہے سلاسل سے مجھے

حالِ دل سنکر وہ کس انداز سے کہنے لگے
کرتے ہوگے یاد کیا ٹوٹے ہوئے دل سے مجھے

گمرہِ الفت ہوں میں پھر واسطہ کیا کام کیا
کارواں سے راہبر سے راہ و منزل سے مجھے

انکے دل کو میں دعائیں دیکے خوش کرتا ہوں روز
دیکھنا ہے اب کہ وہ کوسیں گے کس دل سے مجھے

آسماں کو دے دئے تارے بنانے کے لئے
جس قدر ذرّے ملے خاکسترِ دل سے مجھے

میرے دل سے قدر پوچھو زخم دامن دار کی
آج یہ خلعت ملا ہے دستِ قاتل سے مجھے

کھو دیا دنیا سے افسر آخر اس کمبخت نے
اور کیا اس کے سوا امید تھی دل سے مجھے

۲۵

ضبط اب ممکن نہیں کھُلتے ہیں لب فریاد کو
اپنے دامن میں چھپا لو چرخِ ظلم ایجاد کو

پاس تھا آدابِ الفت کا دلِ ناشاد کو،
ہائے مرتے مر گیا کھولے نہ لب فریاد کو

دل میں ارماں ہیں ان ارمانوں سے پردہ تھا ضرور
یوں نہ اکدم دل میں آنا تھا تمہاری یاد کو

تیرہ بختی دیکھئے واماندگانِ راہِ عشق
زندگی کہتے ہیں شمعِ رہ گذارِ باد کو

پھر نہ کہنا تم کہ یہ کمبخت مرتا بھی نہیں
یوں لبِ جاں بخش سے کوسو نہ مجھ ناشاد کو

درس دیتی ہے نقاہت شیوۂ تسلیم کا
جب نہو طاقت تو کیا لب کُھل سکیں فریاد کو

اب رہائی پر ہے رونا طاقتِ پرواز کا
سوچتا ہوں بدعا دوں یا دعا صیاد کو

اے کلیجہ ملنے والے ضبط کا یارا نہیں
دل دُکھا یا ہے تو لب بھی کھلنے دے فریاد کو

حشر برپا ہو بھی جائے گرمیِ فریاد سے
حشر ہی میں کون سُن لیگا مری فریاد کو

کارگر کچھ یہ بھی تدبیرِ سکونِ دل نہیں

دل سے اب کیونکر جدا کر دوں تمہاری یاد کو
کچھ تو غربت میں وطن کی یاد ہوگی غمگسار
لے چلا ہوں ساتھ افسرؔ میں وطن کی یاد کو

۲۶

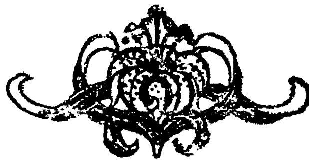
ہے کس کے تجسّس میں ہے کس کا یہ دیوانہ
یہ درد یہ بے چینی یہ شام یہ ویرانہ
یوں بھی نہ بہار آئے اللہ رے مجبوری
اب کون بسائیگا اجڑا ہوا کاشانہ
کیا ہوگا سبو ساقی آنکھیں تری کافی ہیں
اے کاش بدل جائے پیمانہ سے پیمانہ
ہے میرے جنوں سے بھی تیری ہی جھلک ظاہر
دیوانہ تو ہوں لیکن تیرا ہوں میں دیوانہ
یہ رات کی خاموشی تاروں کی یہ محویت
افسرؔ کوئی کہتا ہے شاید مرا افسانہ

۲۷

دیکھ کر مجھ کو یہ کہتے ہیں زمانے والے
کیا خدا سے نہیں ڈرتے ہیں ستانے والے
دل پہ چوٹ آئی تو آنکھوں سے گرے ہیں آنسو
اب بھی دنیا میں ہیں دکھ درد بٹانے والے

آ بتادوں تجھے ناصح کہ محبت کیا ہے　　آگ سے آگ جلاتے ہیں زمانیوالے
دل کے ہر ذرّے کی الفت میں یہ توقیر یہ قدر　　ہائے اے آگ ستاروں میں لگانیوالے!

اُنکو ملنا ہو تو ملجاتے ہیں خود ہی افسرؔ
ڈھونڈنے والوں میں ہوتے نہیں پانیوالے

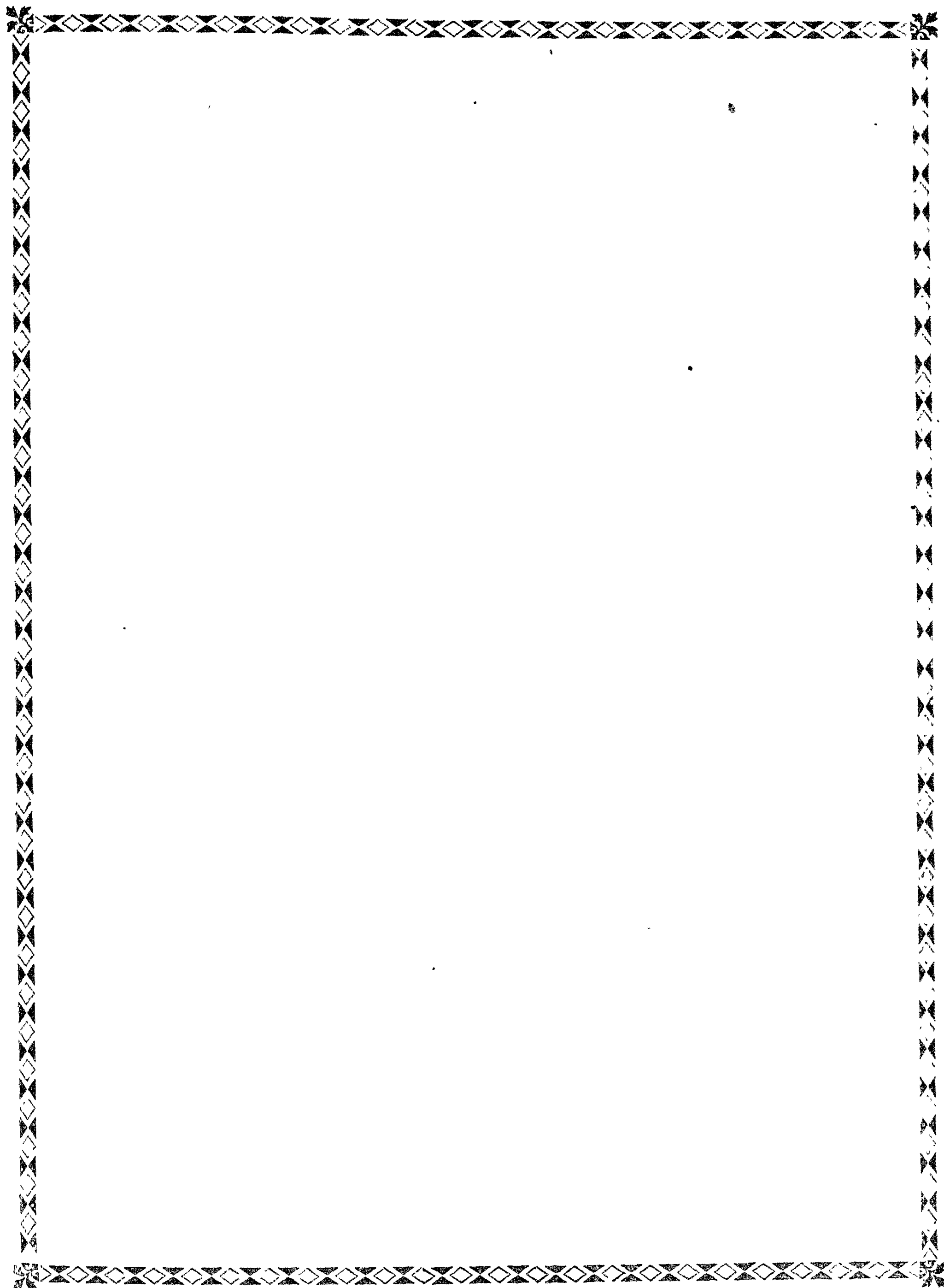


رُوحِ جذبات

۱۹۱۹ء سے ...

من نمی خواہم مرا عالم بدہ
گوشۂ اندر دلت خواہم بدہ

(افسر)



رموزِ توحید

(۱)

ہر پھول کے رنگ و بو میں تو ہے	کونپل میں نمو، نمو میں تو ہے
یہ رنگِ خمار کہہ رہا ہے	تو ہے مرے سبو میں تو ہے
جلوہ ترا چارسو عیاں ہے	چھایا ہوا چارسو میں تو ہے
سر کیوں نہ جھکے براہمن کا	بہتے ہوئے آب جو میں تو ہے
جلوہ کس کا کلیم کیسا ؟	اِس پیار کی گفتگو میں تو ہے
کیسا گوتم کہاں کا جنگل	خود اپنی ہی جستجو میں تو ہے
دل میں مرے آرزو ہے تیری	تو ہے مری آرزو میں تو ہے

(۲)

جب شرق میں صبح مسکرائی	تو نے اپنی جھلک دکھائی
ذرّہ ذرّہ پہ ہے یہ تحریر	زیبا ہے تجھے تری خدائی

پھولوں کو کیا ہے تو نے خوشرنگ   دُلہن بن کر بہار آئی
ظاہر ہو ہزار رنگ سے خود   دنیا اس واسطے بسائی
ہر چیز میں تو ہے جلوہ فرما   اللہ رے تیری خودنمائی
سب ہو گئے محو سننے والے
افسرؔ نے جو تیری حمد گائی



عرضِ نیاز

تابکے چشمک زنی اے برقِ حسنِ بے نیاز
یا تو اکدم پھونک دے یا نور سے بھردے مجھے
تو ہے پردے میں تو اس دنیا کو تیری کیا کروں
جو تجھے دنیا ہے پردے سے نکل کردے مجھے
میں ترے گھر آؤں جس در سے نہیں اُسکی طلب
تو مرے گھر آئے جس در سے وہی دردے مجھے
ذرّہ ذرّہ میں ترا جلوہ سہی میں کیا کروں
ذرّہ ذرّہ کا جہاں کے رازداں کردے مجھے
زندگی کہتی ہے دنیا موت کو اب تو سنبھل
آگیا ہے وقت اُٹھا! لا صورِ محشر دے مجھے

بے اثر ہے آتشِ اُمیدِ موہومِ وصال
پھونک دے تن من کو ایسی آگ سے بھر دے مجھے
نالہائے آخرِ شب تو کوئی سنتا نہیں
شورشِ ہنگامہ خیزِ صبحِ محشر دے مجھے
ہے اگر کچھ رحمتوں کے صرفِ بیجا کا خیال
اپنی اِس دنیا کو تو جنّت بنا کر دے مجھے



میں جس کو ڈھونڈتا ہوں

قصرِ فلک نشاں میں تاج گہر فشاں میں
دنیائے عزّ و شاں میں عشرت کی داستاں میں
میں جسکو ڈھونڈتا ہوں وہ جلوہ گر نہیں ہے

اصواتِ دلربا میں نغمات باصفا میں
لحنِ طرب فزا میں مطرب تری صدا میں
میں جسکو ڈھونڈتا ہوں وہ ہے مگر نہیں ہے

اس کچّی جھونپڑی میں اس پھونس کی کٹی میں
خاموش مفلسی میں روپوش بےکسی میں
میں جسکو ڈھونڈتا ہوں وہ مسکرا رہا ہے

مظلوم کی صدا مین　　　بیکس کی التجا ہیں
مجبور کی ندا ہیں　　　مایوس کی دعا ہیں
میں جسکو ڈہونڈتا ہوں خود وہ ہی بولتا ہے



دولتمند جوگی

(۱)

دنیا میں اللہ کا بندہ ایسا بھی اِک دیکھا ہے
سچی دولت پاس تھی جسکے، جس پہ امیری بھتی تھی
اسکی حضوری میں حاضر تھی ایک سمندر کی دیوی
سیپیوں والی موتیوں والی بیٹھی مالا جپتی تھی

ایک سنہری چادر اوڑھے سر سے لیکر پیروں تک
نکلیں سونے کی پریاں کچھ ڈرتی ڈرتی کانوں سے
ایک بسنتی ساری پہنے، ایک سہیلی روپہلی
لے کے زمین کے مال خزانے آئی تھیں سب تہ خانوں سے

لیکن یہ اللہ کا بندہ پاس نہ تھا جسکے کچھ بھی!
دیکھا اِن میں سے نہ کسی کو آنکھ اُٹھا کر بھی اس نے
فرق اتنا تو سکوں میں اسکے بیشک میں نے پایا ہے
دیکھ کے چاروں سمت کو اپنے آہ تو کھینچی تھی اس نے

(۲)

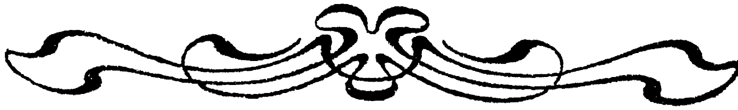
صبح نے کھول کے اپنا خزانہ گھر گھر سونا بانٹ دیا
پتّہ پتّہ سونے کا تھا کونپل کونپل سونے کی
موتی ہی موتی بکھرے پڑے تھے سارے کھیت کے پتوں پر
گویا کھیت میں سونے کے تھی فصل یہ موتی بونے کی

شب بھر چاندی کے دریا میں صبح نہا کر نکلی تھی
سونے کے پیٹ میں جگ مگ کرتے تارے لگا کر نکلی تھی
قدر نہ جانی مال کی اسکے اکثر سونے والوں نے

صبح اسی لئے جوگی کے گھر سیدھی آکر نکلی تھی



افسر یہ اللہ کا بندہ یاس نہ تھا جس کے کچھ بھی
عاشق تھا سچے دل سے فطرت کی عیش پسندی کا
دیکھ کے چاروں سمت کو اپنے حاصل کیف کیا اس نے
راحت اسکو حاصل تھی احساس تھا دولتمندی کا



سائل

تم مجھے کیا دے رہے ہو یہ ستارے کیا کروں ؟
ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں
ہیں مرے کس کام کے یہ آفتاب و ماہتاب ؟
ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں
کیا کروں میں لے کے یہ دریا تمہارے کیا کروں ؟
ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں
کیا کریں گے میری تسکیں اونچے اونچے یہ پہاڑ ؟
ہوں تو سائل لیکن اِن چیزوں کا میں سائل نہیں

سچ یہ ہے مجھکو نہیں ہے مال و دولت کی تلاش
ہوں تو سائل لیکن ان چیزوں کا میں سائل نہیں
تم مجھے مل جاؤ بس اتنی ہے میری آرزو
اور کچھ حاصل نہو، گر اور کچھ حاصل نہیں



بوائے اسکاؤٹس کا گیت

ہم بھارت ماتا کی سیوا میں تن من دھن کو لگا دیں گے
ہم کیسے جواں ہیں بھارت کے یہ دنیا کو دکھلا دیں گے
بھارت کی کریں گے غلامی ہم ظالم کے نہیں ہیں حامی ہم
ہیں امن واماں کے پیامی ہم عالم سے نفاق مٹا دیں گے
جب دنیا کو کچھ غم ہونگے، غم خوار جہاں میں کم ہونگے
دکھ درد کے ساتھی ہم ہونگے، غم سارے جہاں کا مٹا دیں گے
امداد کی حاجت ہوگی گر، امداد کو جائیں گے گھر گھر
تسکین اداسی میں دیکر، ہم روتوں کو بھی ہنسا دیں گے
گر کام کوئی بھی راس نہ ہوا، لوگو! پھر بھی اُداس نہ ہو
بے آس نہ ہو بے آس نہ ہو، ہم بگڑے کام بنا دیں گے

دکھ میں بھی نہ رونے دینگے ہم، مایوس نہ ہونے دیں گے
غفلت میں نہ سونے دیں گے ہم، سوتوں کو جا کے جگا دیں گے
جب رنج میں تم کو پائیں گے، ہم رنج بٹانے آئیں گے
پھر تم کو ہنسا کر جائیں گے، جب در پہ تمہارے صدا دیں گے
ہم نفس کو اپنے ماریں گے، ہم جوش دلوں میں ابھاریں گے
جب جے بھارت کی پکاریں گے، اک شور جہاں میں اٹھا دیں گے
جب کوئی مسافر پائیں گے، ہم اسکے ناز اٹھائیں گے
سب گھر کے چین بھلائیں گے، پردیس کو دیس بنا دیں گے
کشتی جو بھنور میں پائیں گے، طوفان کا جوش مٹائیں گے
ہم ڈوبیں گے مرجائیں گے، پر بیڑا پار لگا دیں گے
ہم میرٹھ والوں میں آکر سیوا کا شوق دیا گھر گھر
کیا شکر ادا ہو اے افسر ہم مہتا[1] جی کو دعا دیں گے

---

[1] مسٹر موہن سنگھ مہتا ایم-اے-ال-ال-بی سابق اسکاٹ کمشنر یو پی سے مراد ہے،

مالن

بھر کے دامن پھول والی یاسمن لائی ہے تو
بیچنے بازار میں حُسنِ چمن لائی ہے تو
راہ پر امنِ محبت کے لئے رہزن ہے تو
ہائے کتنی بے خبر اے سادہ دل مالن ہے تو
پھول یہ دو چار زینت تھے ترے گلزار کی
اب اِنہیں مرجھائے دیتی ہے ہوا بازار کی

بلبلیں حسرت بھری نظروں سے تکتی رہ گئیں
بس ہی کیا تھا بے کسی میں سر پٹکتی رہ گئیں

پتّے گِر گِر کر زمین پر سر رگڑتے رہ گئے
خار تک ظالم ترا دامن پکڑتے رہ گئے

رات بھر شبنم تجھے بے درد مالن روئے گی
اب سحر کو کس کا منہ آ کر چمن میں دھوئے گی
نور کی جب ماہِ تاباں شب کو چادر لائیگا
وہ چھپانے کو چمن کا حُسن کیونکر پائیگا
صبح کو آئیگا سورج گُدگُدانے کے لئے
باغ میں کوئی نہو گا مسکرانے کے لئے
کاش اتنا ہوش ہوتا اے چمن والی تجھے
کوستی بےتاب ہو ہو کر ہے ہر ڈالی تجھے

دور کانوں سے ابھی تیرے صدائے درد ہے
تیرا ننھا دل ابھی نا آشنائے درد ہے
کمسنی میں چھپ رہا ہے تیرا حسنِ دل فروز
از صدائے دل فگاراں نیستی واقف ہنوز
خوش ادا ہیں خوش فزا ہیں خوش اثر خوش رنگ ہیں
پھول والی پھول تیرے کس قدر خوش رنگ ہیں
نور کے ٹکڑے پرو کر لائی ہے تو ہار میں
چاند کا دل توڑ کر لے آئی ہے بازار میں
مسکراتے ہیں خوشی سے یوں ترے دامن میں پھول
ہو دعا جیسے کسی ناچار و بے کس کی قبول
تیرے پھولوں میں ہے پوشیدہ تبسم حور کا
جسم لیکر آئی زاہد کی عبادت نور کا

پھول تارے بنکے جتنے شب کے گلشن میں ہے
صبح کے دامن سے نکلے تیرے دامن میں ہے

پھول تیرے موجب آرائشِ حُسن بتاں
پھول تیرے باعثِ افزائشِ حسنِ بتاں
رات بھر دیکھیں گے اب یہ ماجرائے حسن و عشق
ان پہ روشن ہونگے کیا کیا رازہائے حسن و عشق
کون کیا کیا سنائے گا تیرے گلزار کو
دیکھ کر شرمائے گا جب کوئی باسی ہار کو

دل لئے جاتا ہے کیا جادو ترے پھولوں میں ہے
ہائے اے مالن کسی کی بو ترے پھولوں میں ہے
چھپ رہی ہے تیرے پھولوں میں بہار داغِ دل

پھول ہیں ظالم ترے آئینہ دارِ داغِ دل
ہائے ان سے آرزوئے خوں شدہ آتی ہے یاد
دل پکڑ کر رہ نہ جائے دیکھ کوئی نامراد
تاب یہ حسرت بھری نظروں کی کیونکر لائیں گے
پھول والی تیرے نازک پھول کملا جائیں گے

پھول ہیں مالن ترے لطفِ عبادت کیلئے
ان میں زاہد نے مزے نیرنگ قدرت کیلئے
رنگ جلوت کیف افزا صورتِ خلوت ہوا
اِن کی کثرت میں نمایاں جلوۂ وحدت ہوا

دھرم کی متوالی جوگن کہتی ہے "دزدِ چمن !
تیرے پھولوں سے مرے مندر کی دیوی ہے مگن"

دل کی کیفیت ہے کیا دل کی کسی کو کیا خبر
کیف اندوزِ عبادت ہے پجاری کی نظر

چشمِ آخر بین کو اک نظارۂ عبرت ہیں پھول
آنکھ والے کے لئے آئینۂ حیرت ہیں پھول
غنچہائے خُبر برلب تھے یہ گل گلزار میں
اب شباب آیا تو بکنے کو چلے بازار میں
رات بس کر سو رہیں گے پھر ہمیشہ کے لئے
زندگی انکو ملی لطفِ دو روزہ کے لئے
بے ثباتی کی جہاں میں پھول لائے ہیں خبر
ہستی نازک کو روتی ہے حیاتِ مختصر

پھول ہیں ظالم ترے تعبیرِ خوابِ زندگی
جسم لیکر آئی ہے تصویرِ خوابِ زندگی
ہوش جب آیا ہوا سے آشنا دامن ہوئے
پھول جتنے تھے چمن میں، چاک پیراہن ہوئے
رنگ مایوسی کا تربت پر دو بالا کر دیا
اک عجب عالم ترے پھولوں نے پیدا کر دیا
پھول کہتے ہیں کوئی نوعمر زیرِ خاک ہے
کیسا وقتِ شام یہ نظّارہ عبرت ناک ہے
اے کہ در خوابِ گرانِ مرگ ہستی در مزار
ہائے تجھ پر آج ہے حُسن و نزاکت سوگوار
خاک ہو کر بھی زیارت گاہِ اہلِ دل ہے تو
رہروانِ راہِ حُسن و عشق کی منزل ہے تو



دُنیا میں جنّت میرا وطن ہے

(بچّوں کے لئے)

باغوں نے پہنا
پھولوں کا گہنا
نہروں کا بہنا
وارفتہ رہنا
دنیا میں جنّت میرا وطن ہے
بھوری گھٹائیں
لائیں ہوائیں +
باغوں میں جائیں
کلیاں کھلائیں

دنیا میں جنّت میرا وطن ہے

اک جھونپڑی ہے
سب کچھ یہی ہے
کیا سادگی ہے
کیا زندگی ہے

دنیا میں جنّت میرا وطن ہے

کرشن کنہیا
رادھا کا رسیا
تھا اس زمیں کا
روشن ستارا

دنیا میں جنّت میرا وطن ہے

وہ ترک آئے
بھارت پہ چھائے

جھنڈے اُڑائے

قرآن لائے

دنیا مین جنّت میرا وطن ہے

چشتی نے بخشا

دل کو سہارا

ہمدرد ایسا

کسکو ملا تھا

دنیا میں جنّت میرا وطن ہے

گو تم کا گھر ہے

جنّت کا در ہے

افسر کدھر ہے

کیا بے خبر ہے

دنیا میں جنّت میرا وطن ہے

بے چین گھڑیاں

کیا کہوں ہوتا ہے اکثر اس قدر دل بے قرار
چاہتا ہے خود بخود رونے کو جی بے اختیار
یہ نہیں معلوم کیوں، کس بات پر روتا ہوں میں
یہ خبر ہے ہاں کہ پہروں بیٹھ کر روتا ہوں میں
سوچتا ہوں دل میں ہر بار اکہ یہ کیا بات ہے
نیند آنی چاہئے اب تو کہ آدھی رات ہے

چاہتا ہوں میں کہ تا فل سو رہا ہوتا ہیں کاش
کہتے ہیں گلیوں میں چوکیدار جیسے "ہشیار باش"!
انکی آوازیں فضا میں گو نجتی ہیں بار بار

شب کی خاموشی میں پیدا کر رہی ہیں انتشار
خود پہ میرا بس نہیں ہے کیا کروں ناچار ہوں
سو رہے ہیں بے خبر سب اور میں بیدار ہوں
گم شدہ میرا سکونِ دل میسّر ہو مجھے
اے مرے اللہ! قابو کچھ تو دل پر ہو مجھے



جنگلوں میں ہیں جوانی کی بہاریں جوش پر

لکھ گئے اپنی کتابوں میں یہ دانایانِ ہند
آدمی پنجاہ سالہ ہو تو بستی چھوڑ دے
جنگلوں میں جا کے فطرت سے کرے کسبِ سکوں
نوجوانوں کے لئے دنیا پرستی چھوڑ دے

میں یہ کہتا ہوں کہ جنگل ہیں جوانوں کے لئے
جنگلوں میں ہیں جوانی کی بہاریں جوش پر
کیا ضعیف العمر کیف اندوز ہو سکتے ہیں جب
لے کے جائیں گے اُمنگوں کا جنازہ دوش پر

محوِ حیرت ہے نظر جنگل میں کیا کیا دیکھئے
بستیوں میں حُسن کی ایسی فراوانی کہاں

ہائے یہ خوش رنگ پھولوں کی سرور افزائیاں
گل بد امانی کہاں یہ عیش سامانی کہاں

دل کی دھڑکن آہ کی سوزش نظر کی وحشتیں
ہیں انہیں چیزوں کی طالب کنج کی خاموشیاں
چاند کی کرنوں میں پوشیدہ ہے الفت کا پیام
ہوتی ہیں کلیوں سے اکثر عشق کی سرگوشیاں

خشک ہے صحرا بزرگانِ معمّر کے لئے
بے مزہ بے کیف ہے پیری میں سامانِ شباب
جستجوئے حُسن ہے افسرؔ تو چل جنگل میں چل
رنگ لائیگا وہاں جوشِ فراوانِ شباب



کاغذ کی ناؤ

(بچوں کے لئے)

دیکھو اماں کیسی اچھی ہے مری کاغذ کی ناؤ
لے چلا ہے ساتھ اسکو مینہ کے پانی کا بہاؤ
بند کر دیتا نہ میں سب موریوں کے منہ اگر
کس طرح پانی سے بھر جاتا بھلا پھر سارا گھر
میری کشتی تم ذرا دیکھو تو اک چکر میں ہے
گو کہ دریا میں ہے لیکن پھر بھی گھر کے گھر میں ہے
مچھلیاں اس واسطے آنگن کے دریا میں نہیں
ڈر کے میری ناؤ سے ساری کی ساری چھپ گئیں

اچھی اماں اب مجھے دریا میں جانے دو ذرا
اپنی کشتی کو مجھے خود ہی چلانے دو ذرا
چار ہا ہونگا میں جب کشتی سنبھالے دیکھنا!
تم کہو گی میرے ننھے ناؤ والے دیکھنا!
میں کہوں گا "میری اماں! کس طرح دیکھوں اُدہر
کیا کرونگا ناؤ رستے سے بھٹک جائے اگر
دہیان بٹ جائے تو کشتی ڈوب جائیگی ضرور
بیٹھ کر کس چیز میں پھر جاؤنگا میں دور دور

اچھی اماں اب مجھے دریا میں جانے دو ذرا
اپنی کشتی کو مجھے خود ہی چلانے دو ذرا
دیکھ لینا تم کہ اس دریا میں ڈوبوں گا نہیں
اچھی اماں دیر تک پانی میں کھیلونگا نہیں

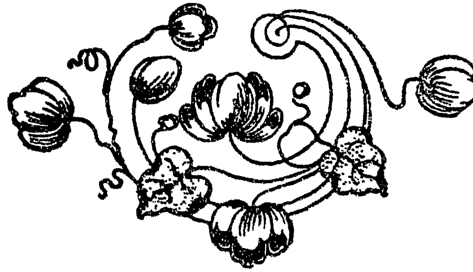
حُسنِ سادہ

"گنگناتا کچھ گیا ہے کھیت سے ہوتا ہوا
چاندنی راتوں میں پھرتا ہے کوئی روتا ہوا
کوئی کچھ پوچھے تو وہ ناچار صورت نوجواں
کچھ بتانا چاہتا ہے پر نہیں کھلتی زباں
اور جو کچھ بولے تو دل دھڑکے زباں لُکنت کرے
جیسے رُک رُک کر پہاڑی سوت سے پانی بہے
آنسوؤں کو ضبط کی کوشش میں پلکیں تھام لیں
گویا کچھ شبنم کے قطرے پھول کے زیرے پہ ہیں"

میں نے یہ سب اپنی بابت اپنے کانوں سے سنا
ہائے کس دل سے کہوں میرا ہی تھا یہ ماجرا
کہہ رہی تھی اپنی ماں سے جب وہ یہ قصّہ مرا
سُن رہا تھا آڑ میں جھاڑی کی میں چپکا کھڑا
بھولی بھولی اسکی صورت نے مجھے تڑپا دیا
زخم خوردہ دل پہ میرے اور اک چرکا دیا

کس قدر دلکش تھا اسکا حُسنِ سادہ کیا کہوں
دیکھتا ہی رہ گیا میں تو زیادہ کیا کہوں
اے تری قدرت یہاں یہ حسن کی دیوی کہاں
پھوس کا چھوٹا سا چھپّر کچّی اینٹوں کا مکاں
میلی میلی ایک ساری گورے گورے جسم پر
بھورے بھورے بادلوں کے بیچ میں جیسے قمر

دیکھنے والوں کو حیرت ہو مگر سچ تو یہ ہے
کچھ وہ بستی ہی بہت موزوں تھی اسکے واسطے
حسن و خوبی کا مرقع شاخ پر ہوتا ہے پھول
جب چمن میں ہو تو پیارا کس قدر ہوتا ہے پھول



مالن کا گیت

(یہ گیت سنسکرت کے ایک چھند "کرائو پنچ پدا" میں ہے، اس بحر میں ہندی اور بنگالی زبانوں میں بہت سے گیت ہیں، مگر اردو میں شاید اب سے پہلے کسی نے اس کی طرف توجہ نہیں کی)۔

جی دکھتا ہے کیسے توڑوں
چھوٹی چھوٹی ننھی ننھی پیاری پیاری کلیاں
رے کانٹے مین سچ سچ کہدوں
تیرے سارے پتے وتے میری ساری کلیاں
یا اللہ میں صبح کو پاؤں
ٹہنی ٹہنی اچھی اچھی بھاری بھاری کلیاں
گیت افسر کا ایسا گاؤں
جیسے میرے پودوں والی نیاری نیاری کلیاں

سارے جہاں پہ ہے سکّہ مِرے وطن کا

پھولوں سے بھی سوا ہے کانٹا مرے وطن کا
ہے آفتاب مجھکو ذرّہ مرے وطن کا
دل میں جما ہوا ہے نقشا مرے وطن کا
ہیں سب عزیز مجھکو اِس کی برائیاں کیا
بہتر بہار سے ہے اِس کی مجھے خزاں بھی
دنیا میں ہو رہا ہے چرچا مرے وطن کا
گودی میں اسکی کیا کیا دریا مچل رہے ہیں
ہر سمت کیسے کیسے چشمے اُبل رہے ہیں
گویا بہشت ہے اک نقشا مرے وطن کا
آیا کہاں سے کھنچکر یونانیوں کا لشکر

الفت سے اِسکی آخر پسپا ہوا سکندر
شیدائی بنکے آیا دارا مرے وطن کا
تاتاریوں نے اس پر اپنا قدم جمایا
مغلوں نے چھاؤنی کی ترکوں نے گھر بنایا
سارے جہان پر ہے سکّہ مرے وطن کا
میں نے جہاں بھر کی کیا کیا نہ خاک اُڑائی
ایسی جہان بھر میں بستی کہیں نہ پائی
ہے میرے سر میں افسرؔ سودا مرے وطن کا



شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

نغمے اپنے اگر سناؤں ممکن جو نہ ہو وہ کر دکھاؤں
کر دوں اسے کیفیت سے لبریز جنّت دنیا ہی میں بناؤں
جس سے کہ حیات کو جِلا ہو وہ آگ جہان میں لگاؤں
شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

جب راگ کوئی سنا دیا ہے دنیا کو ہلا ہلا دیا ہے
بے حس لوگوں میں روح پھونکی مرتے مرتے جِلا دیا ہے
غفلت میں جو بے خبر پڑے تھے انکو میں نے جگا دیا ہے
شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

تخئیل سے کام لوں اگر میں بخشوں دنیا کو سیم و زر میں
بنکر چھا جاؤں ابرِ نیساں بھر دوں ہر سیپ میں گہر میں

پریوں کے محل سرا میں جاؤں　　دیووں کو بنا کے راہبر میں
شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

جس چیز میں حُسن دیکھتا ہوں　　اُس پر سو جاں سے فدا ہوں
اُف بحرِ خیال کا تموّج !　　کشتی ہوں بھنور ہوں ناخدا ہوں
ہستی میری ہے اک معمّا　　مجھ سے کیا پوچھتے ہو کیا ہوں
شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

سو بار جلا وہ طور ہوں میں　　چشمِ عالم کا نور ہوں میں
ہے میرا خدا قریب مجھ سے　　مانا کہ خدا سے دور ہوں میں
چاہوں تو جہان کو اُلٹ دوں　　اب بھی اتنا ضرور ہوں میں
شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

قصّہ اپنا سنا رہا ہوں　　میں تاروں کے دل ہلا رہا ہوں
ساکت دنیا ہے نصف شب ہے　　میں دھیمے سُروں میں گا رہا ہوں
ہیں غرقِ اثر میں راگ میرے　　بیخود سب کو بنا رہا ہوں

شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں

تاثیر مری صفات میں ہے　　جادو مری بات بات میں ہے

دنیا میں ہے جس قدر لطافت　　مضمر میری حیات میں ہے

پوچھے مرے دل سے کوئی افسرؔ　　نغموں کا تو لطف رات میں ہے

شاعر ہوں لطافتوں کی جاں ہوں



ایک پیرزن محمود کے دربار میں

شاہوں میں یادگار ہے محمودِ غزنوی
اللہ رے وہ زور وہ بَل وہ سپہگری
تھا اُسکے ڈر سے رعشہ براندام ایشیا
حاصل کسی کو کب تھی جہاں میں یہ برتری
کہتے ہیں اُسکے دور میں اک قافلہ لٹا
کچھ لوگ قتل بھی ہوئے تھے چو سب جری
اس کارواں میں ایک جواں بھی ہوا شہید
ایک بوڑھی ماں کی لٹ گئی کھیتی ہری بھری
محمود کے حضور میں آئی وہ غم نصیب
اور بولی تیرے ملک میں کیسی ہے ابتری
محفوظ جب نہیں ہے رعایا کا جان و مال

کس روز کام آئیگی تیری دلاوری
محمود نے کہا "ہے وہ خطّہ یہاں سے دور
کیونکر ہو اتنی دور بھلا عدل گُستری
بولی بہت ادب سے یہ سن کر وہ پیر زن
"یہ عرض میں کروں گی جو ہو جائے جاں بری
قبضہ ہی تو نے دور کے ملکوں پہ کیوں کیا؟
ہے جب کہ تیرے دور کے ملکوں میں ابتری
جو راج تیرے بس میں نہ ہو شاہِ ذی وقار!
حاصل ہے ایسے راج سے کیا؟ سوچ تو ذری"
محمود پر اثر ہوا عورت کی بات کا ۔ ۔ ۔
بولا کہ "اب نہ ہو گی کہیں یہ ستمگری
اِس پیر زن کی جھولی جواہر سے پُر کرو
غزنی کے بادشاہ پہ ہے اِسکو برتری"

ہمارا وطن

(بچوں کے لئے)

یہ ہندوستاں ہے ہمارا وطن　　چمن زارِ جنّت ہے سارا وطن
ہے دُکھ سُکھ میں دل کا سہارا وطن　　ہے آنکھوں میں آنکھوں کا تارا وطن

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ برسات کی ہلکی ہلکی پھوار　　ہواؤں کا چلنا یہ مستانہ وار
یہ کھیتوں کی سبزی چمن کی بہار　　یہ پھولوں کا شبنم سے دُھل کر نکھار

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ خاموش اور خوشنما بستیاں　　کسانوں کے یہ چھوٹے چھوٹے مکاں
یہ سادہ لباس اور پیاری زباں　　ترقی کی رَو سے یہ محرومیاں

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ گرمی کی شاموں کا پیارا سماں　　یہ جاڑے کی راتوں کی خاموشیاں

یہ جھولوں پہ گیتوں کی دلسوزیاں　　یہ برسات کی ہائے دلچسپیاں

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن

یہ چڑیوں کا گانا چمن در چمن　　یہ افسرسے شاعر کا دلکش سخن

یہ سنسان جنگل یہ خاموش بن　　یہ گنگا کی لہروں کا مستانہ پن

ہمارا وطن دل سے پیارا وطن



فقیر کی دُعا

(۱)

تو نے دعائیں مانگیں میرے لئے خدا سے
پھل پائے میں نے کیا کیا بابا تری دعا سے
اے پاکباز بندے
اے بے نیاز بندے
تجھکو خدا جزا دے
میرے چمن کی رونق یہ خوشنما کلی ہے
تیری دعا مجسّم آگے ترے کھڑی ہے
یہ بھولی بھولی صورت
پائی تری بدولت

تجھکو خدا جزا دے

رگ رگ میں تھا یہ میری روز ازل سے یعنی
یوں مجھ میں چھپ رہا تھا لفظوں میں جیسے معنی
تیری دعا بر آئی ہے
میں نے مراد پائی ہے
تجھکو خدا جزا دے

تیری دعائیں لے کر آئی ہوں تیرے در پہ
میں اپنے گھر کی دولت لائی ہوں تیرے در پہ
یہ خوش رہے جہاں میں
پھولے پھلے جہاں میں
اب اسکو کچھ دعا دے تجھکو خدا جزا دے

(۴)

کر شکر حق کا بیٹی! جس نے یہ دی ہے نعمت

اِس پر خدا کا سایہ اس پر خدا کی رحمت

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اِسے خُدا دے

آجائے اِس کلی سے سارے چمن میں رونق

ہو اسکے دم قدم سے پیارے وطن میں رونق

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اِسے خدا دے

دنیا کی تیرگی میں یہ نور بن کے چمکے

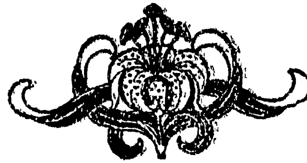
دنیا سے دور کر دے آثار رنج و غم کے

یہ خوش رہے جہاں میں

پھولے پھلے جہاں میں

سب کچھ اسے خدا دے

دنیا سے دکھ مٹائے ہر درد کی دوا ہو
مایوس کا سہارا بے کس کا آسرا ہو
یہ خوش رہے جہاں میں
پھولے پھلے جہاں میں
دنیا اسے دعا دے سب کچھ اسے خدا دے



شبِ تاریک

(۱)

کیا چیز ہے تو اے شبِ تاریک سکوں ریز
دنیائے خموشاں

محویّتِ پنہاں
ہو حد سے فزوں ضبط تو ہوتا ہے جنوں ریز

(۲)

چھائی ہوئی ہر سمت ہے کیفیتِ خاموش
تاثیر کا معدن
تخئیل کا مخزن
یارات کے پردے میں ہے محویّتِ خاموش

(۳)

تاریکی میں رقصاں ہے ستاروں کی چمک بھی

لبریزِ تبسّم

محرومِ تکلّم

سہما ہوا کچھ دور سے تکتا ہے فلک بھی

(۴)

شب ہے کہ خیالات کی وسعت کا سماں ہے

کیفیتِ لرزاں

تاروں میں ہے پنہاں

ہیں یہ مرے اشعار کے ارکانِ پریشاں

(۵)

تو رازِ نہانِ کششِ حسنِ ملاحت

نورِ دلِ عرفاں

تسکین بداماں ہے

اے مخزنِ آسایش و سرمایہ راحت

(۶)

مدہوش ہے کس درجہ ترا حسنِ دل افروز

مخمور ہے دنیا

مسحور ہے دنیا

اک اخترِ مغموم ہے یا شمعِ نظر سوز



لوری

سو جا آنکھ کے تارے سو جا   سو جا دل کے سہارے سو جا
سو جا راج دلارے سو جا   سو جا چاند ہمارے سو جا
سو جا سو جا پیارے سو جا
رات نے جھنڈے سکھ کے اڑائے   نیند کھڑی ہے پر پھیلائے
ماں اپنے بچے کو سلائے   دھیمے سروں لوری گائے
سو جا سو جا پیارے سو جا
کلیاں شاخوں پر سوتی ہیں   شاخیں جھک جھک کر سوتی ہیں
چڑیاں بے بستر سوتی ہیں   باجی اپنے گھر سوتی ہیں
سو جا سو جا پیارے سو جا
آہستہ کھیتوں سے نکل کر   ندی سے گذری ہے سنبھل کر

پیڑوں کے سایہ میں ٹہل کر　　نیند آئی ہے دور سے چل کر

سو جا سو جا پیارے سو جا

یاس میں آس بندھائیگا تو　　بگڑے کام بنائے گا تو

دُکھ دنیا کا مٹائے گا تو　　سُکھ دیگا سُکھ پائے گا تو

سو جا سو جا پیارے سو جا

خدمت کرنا پیارے وطن کی　　رونق بننا اپنے چمن کی

یاد نہ آئے رنج و محن کی　　کرنا قدر افسر کے سُخن کی

سو جا سو جا پیارے سو جا



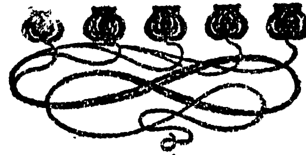
جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں

(بچّوں کے لئے)

پھولوں کا ہر سمت مہکنا
کلیوں کا ہر روز چٹکنا
باغوں میں بلبل کا چہکنا
میووں کا شاخوں سے لٹکنا
جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں
کیسے اچھے دریا ہائے
وہ اِنکا اٹھلا کر چلنا
دو بہنیں ہیں گنگا جمنا
دنیا میں ثانی نہیں انکا

جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں
دیکھو یہ ساون کی بہاریں
پڑتی ہیں ہر سمت پھواریں
ہرے بھرے پودوں کی قطاریں
بادل جن پر موتی واریں
جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں
شبنم نے پھولوں کو نکھارا
سورج نے کچھ اور سنوارا
کیسا سماں ہے پیارا پیارا
اک گلشن ہے بھارت سارا
جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں
مٹی ہے اکسیر یہاں کی
ایسی زمین ہے اور کہاں کی

جھولی بھر دی سارے جہاں کی
کیونکر ہو تعریف کساں کی
جیسا میرا دیش ہے افسر ایسا کوئی دیش نہیں



میرے نغمے

علم والے ہیں کہ مستغرق ہیں تصنیفات میں
فکر یہ ہے بات پیدا ہو نئی ہر بات میں
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں

مال والوں کو ہے اپنے مال دولت پر غرور
گوشِ ناشنوا ہیں انکے آشنائے "جی حضور"
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں

زاہدوں کو اپنے زہد واتقا پر ناز ہے
محو ہیں خود ذات میں اپنی خدا پر ناز ہے
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں

تاجروں کی بے حسی کا ذکر ہی بیکار ہے

یہ سکوں نا آشنا فرقہ جہاں پر بار ہے
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں
دل جسے کہتے ہیں اب وہ غالباً نایاب ہے
درد کی لذّت تڑپ کے واسطے بیتاب ہے
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں
مدّعا پوچھو نہ کچھ نغمہ زنِ مدہوش سے
آہ دھیمی سی کہیں نکلے لبِ خاموش سے
میرے نغموں کا جہاں میں قدرداں ملتا نہیں



بہن کا سوگ

۱۹ راگست ۱۹۲۴ء کو میری ہمشیرۂ عزیزہ کا عین عالمِ شباب میں انتقال ہوگیا اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْن ، مرحومہ نے دو چھوٹے چھوٹے بچے چھوڑے ہیں، ایک لڑکا ہے جسکی عمر تین سال ہے دوسری لڑکی ہے جو غریب ابھی ایک برس کی بھی نہیں ہے، ذیل کی نظم ابھی غیر مکمل ہے لیکن شاید اسکی تکمیل اب مجھ سے نہو سکے، مرحومہ کے شوہر بسلسلۂ ملازمت سندھ میں مقیم تھے، اسکی علالت کی وجہ سے استعفیٰ دیکر وطن چلے آئے پہلے مصرعہ میں اسی کی طرف اشارہ ہے،

اب کہاں جاتی ہے اے سندھ سے آنے والی
نقش ہر دل پہ محبت کا بٹھانے والی
ناز بہنوں کے شب و روز اٹھانے والی
اپنے روٹھے ہوئے بھائی کو منانے والی
سُن تو لے! ہائے ترے ساتھ کا کھیلا ہوں میں
تو جو دنیا میں نہیں ہے تو اکیلا ہوں میں

ہائے کیسی تپِ کہنہ نے یہ آفت ڈھائی
بے کِھلے ہی مرے گلشن کی کلی مرجھائی
کیا بہار آئی کہ پیغام خزاں کا لائی
سچ تو یہ ہے کہ قضا بن کے جوانی آئی

زندگی کا کوئی مفہوم بھی سمجھا تو نے؟
ہائے کیا عالمِ ایجاد میں دیکھا تو نے

کچھ خطرناک نہ تھی ایسی علالت تیری
دیکھتے دیکھتے کیا ہو گئی حالت تیری
تو تو رخصت ہوئی باقی ہے محبت تیری
تو نہیں ہے مگر آنکھوں میں ہے صورت تیری

نہ کتابیں نہ رسالے نہ سہیلی ہوگی
ہائے تاریک لحد میں تو اکیلی ہوگی

ننھے بچے ہیں انہیں چھوڑ چلی ہے کس پر

ابھی معصوم ہیں بے ماں کے جئیں گے کیونکر
گھر میں سب ہوں مگر انکے لئے ویرانہ ہے گھر
تجھ سے ملتی ہوئی آنکھوں میں پریشانی ہے نظر
کوئی اب کیسے تری طرح سے پالیگا انہیں ؛
جب یہ مچلیں گے تو پھر کون سنبھالیگا انہیں
فکر کو یوں نہ جوانی میں بسایا ہوتا؛
کچھ تو دنیا کی محبت کو نبھایا ہوتا؛
یوں تو ماں باپ سے دامن نہ چھڑایا ہوتا
رحم کچھ انکی ضعیفی پہ تو کھایا ہوتا؛
دل ہو کمزور تو پھر رنج سوا ہوتا ہے
داغ اولاد کا پیری میں بڑا ہوتا ہے



بہن کا چہلم

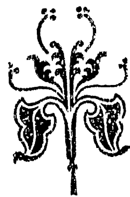
(دیکھو نوٹ صفحہ ۱۴۱)

موت کو تیری سنا ہے ہو گئے چالیس دن
سچ سہی یہ بھی مگر مجھکو یقین ہوتا نہیں
ہاں نظر کے سامنے ہر لحظہ ہر ساعت ہے تو
دیکھتا رہتا ہوں تجھکو رات بھر سوتا نہیں
اے مقدس روح ! راحت کی زمین ہے تیرا گھر
تو جہاں رہتی ہے کوئی غم وہاں ہوتا نہیں
جب حیاتِ نو تری اس درجہ کیف انگیز ہے
پھر عجب کیا ہے کہ میں ہنستا ہوں اور روتا نہیں
اس تپ کہنہ میں کچھ تسکین سی پاتا ہوں میں
یعنی کچھ مدت میں تیرے پاس ہی آتا ہوں میں

خضر کا کام کروں راہنما بن جاؤں

درد جس دل میں ہو اس دل کی دوا بن جاؤں
کوئی بیمار اگر ہو تو شفا بن جاؤں
دکھ میں ہلتے ہوئے لب کی میں دعا بن جاؤں
اُف وہ آنکھیں کہ ہیں بینائی سے محروم کہیں
روشنی جن میں نہیں نور جن آنکھوں میں نہیں
میں اُن آنکھوں کے لئے نور ضیا بن جاؤں
ہائے وہ دل جو تڑپتا ہوا گھر سے نکلے
اُف وہ آنسو جو کسی دیدۂ تر سے نکلے
میں اُس آنسو کو سکھانے کو ہوا بن جاؤں
دور منزل سے اگر راہ میں تھک جائے کوئی

جب مسافر کہیں رستے سے بھٹک جائے کوئی
خضر کام کروں راہ نما بن جاؤں
عمر کے بوجھ سے جو لوگ دبے جاتے ہیں
ناتوانی سے جو ہر روز جھکے جاتے ہیں
اُن ضعیفوں کے سہارے کو عصا بن جاؤں
خدمتِ خلق کا ہر سمت میں چرچا کر دوں
مادرِ ہند کو جنت کا نمونہ کر دوں
گھر کرے دل میں جو افسردہ صدا بن جاؤں



بھارت کے گُن گاتے ہیں

(بچوں کے لئے)

دن جو بہار کے آتے ہیں کیا کیا پھول کھلاتے ہیں
بادل مینہ برساتے ہیں بلبل گیت سُناتے ہیں
بھارت کے گُن گاتے ہیں
دل کی مرادیں پاتے ہیں
اپنے اور بیگانے ہیں بھارت کے دیوانے ہیں
لب پر اس کے ترانے ہیں دل میں اس کے فسانے ہیں
بھارت کے گُن گاتے ہیں
دل کی مرادین پاتے ہیں
سونا اِسکی کانوں میں لعل بھرے ہیں خزانوں میں

دولت ہے میدانوں میں · راحت ہے ویرانوں میں
بھارت کے گُن گاتے ہیں
دل کی مرادیں پاتے ہیں
بدھ اِس کے دلدادوں میں · جوگی تھا شہزادوں میں
حُسن تھا اسکی مرادوں میں · کیا ہمّت تھی ارادوں میں
بھارت کے گُن گاتے ہیں
دل کی مرادیں پاتے ہیں
ارجن بیر ہمارا تھا · بھارت اسکو پیارا تھا
اکبر سب سے نیارا تھا · دیش کی آنکھ کا تارا تھا
بھارت کے گُن گاتے ہیں
دل کی مرادیں پاتے ہیں



مسافر

ہے تنہا راہ میں گھبرائے گا دل
کہاں ہے اے مسافر تیری منزل؟ ۱

سحر کی سرخ نہروں میں نہا کر
نظر مہرِ منوّر سے بچا کر
فضائے نیلگوں میں جب بڑھونگا
تو منزل کا پتہ کچھ دے سکونگا

سفر تیرا ہے مشکل اے مسافر
ہے کتنی دور منزل اے مسافر؟

مسافر ہوں سفر ہے میرا مقصود
مری منزل مرے دل میں ہے موجود

سفر کی حد اگر معلوم ہوتی سفر کی کیفیت معدوم ہوتی

سفر میں رات کا کٹنا ہے دو بھر
گذارے گا مسافر رات کیونکر؟

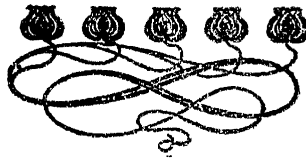
زمیں سے آسماں تک رہگذر ہے سفر کی رات ہی جانِ سفر ہے
خموشی کو صلائے درد دونگا کہانی اپنی تاروں سے کہونگا
فلک پر نور افگن ماہ ہوگا "مسافر رات کا" ہمراہ ہوگا
محبت میں ہیں دونوں داغ بر دل مسافر ہیں مگر گم کردہ منزل



جلوہ گاہِ خواب

عجیب کیفیتوں سے پُر تھا کل آخرِ شب جو خواب دیکھا
ابھی تک اسکا اثر ہے دل پر وہی گھڑی یاد آرہی ہے
یہ میں نے دیکھا ہے سمتِ مشرق میں خوشنما ایک قصرِ زرّیں
اور اک دوشیزہ حسین عورت وہاں کھڑی مسکرا رہی ہے
میں کیا بتاؤں بہ صد خموشی ہر اک ادائے لطیف اسکی
نظر کو مسحور کر رہی ہے سرور دل میں بڑھا رہی ہے
صباحتیں حسنِ بے محابا پہ ہو رہی ہیں نثار پیہم
ہزار اندازِ کیف ساماں سے دل کو میرے لبھا رہی ہے
ترانۂ بے صدا کی اُسکے سحر طرازی کا ذکر کیا ہو
ہے محو موسیقیت میں اپنی خموش نغمے سنا رہی ہے

نہ چھپ سکا نور کی ردا میں جمالِ عالم فروز اس کا
خزینۂ حسنِ جاں ستاں کی جہاں میں دولت لٹا رہی ہے
کھلی یکایک جو آنکھ میری تو راز مجھ پر کھلا یہ افسر
کہ یہ دو شیزہ ہے "صبحِ صادق" جو شرق میں مسکرا رہی ہے



تربینی

(۱)

پریاگ یہ بچھڑی ہوئی بہنیں جو ملی ہیں
پانی کی زمین پر بھی تو کلیاں سی کھلی ہیں

کچھ گنگا کا رُکنا
کچھ جمنا کا جھکنا
پھر دونوں کا ملنا
وہ پھول سے کِھلنا

کس شوق سے اٹھلاتی ہوئی ساتھ چلی ہیں
یہ عشق و محبت کے نظارے ازلی ہیں

(۲)

کہتے ہیں کہ جنّت سے بھی آئی ہے بہن ایک
گو تینوں کا ہے اصل میں گھر ایک وطن ایک
گھر جب سے چھٹا تھا
دل سرد ہوا تھا
وہ کوہ سے گرنا
وہ دشت میں پھرنا
راتوں کو وہ سنسان بیابان میں چلنا
سہمے ہوئے تاروں کا وہ سینے پہ مچلنا

(۳)

تنہا وہ سفر دشت میں میدان میں بن میں
خاموش پہاڑوں میں گلستاں میں چمن میں
جنگل سے نکلنا

رکتے ہوئے چلنا
کچھ بڑھ کے پلٹنا
ڈر ڈر کے سمٹنا،،

مر مر کے اکیلے یہ گذارا ہے زمانہ،،
جیسے کوئی دنیا میں نہو اپنا یگانہ

(۴)

خالی کبھی جاتی نہیں بے لفظ صدائیں
آخر کو اثر کر گئیں خاموش دعائیں

جاگا ہے مقدر
پریاگ پہ آکر
اب غم نہ سہیں گے
تنہا نہ رہیں گے

پریاگ پہ بہنوں کو ملایا ہے خدا نے

مدّت میں یہ دن آج دکھایا ہے خدا نے

(۵)

کیا جوشِ محبّت سے بغلگیر ہوئی ہیں
وارفتگیِ شوق کی تصویر ہوئی ہیں

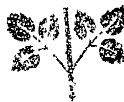
اللہ رے محبّت

سرمایۂ راحت

یہ کس کو خبر تھی

دل ملتے ہیں یوں بھی

ہونگی نہ جدا حشر تک اب ایسے ملی ہیں
خوش ہنس ہیں یا پانی پہ کلیاں سی کھلی ہیں



میرے وطن کو تو نے جنّت بنادیا ہے

(بچّوں کے لئے)

یہ آسماں بنایا
سارا جہاں بنایا
ہندوستاں بنایا
یا گلستاں بنایا
کیا شکر ہو الہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنادیا ہے
کانوں کو بھر دیا ہے
مٹّی میں زر دیا ہے
اکسیر کر دیا ہے

کیا پیارا گھر دیا ہے
کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنت بنا دیا ہے
برسات آ رہی ہے
جھولے جھلا رہی ہے
کلیاں کھلا رہی ہے
دل کو لبھا رہی ہے
کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے
پربت جو اک یہاں ہے
ہمدوش آسماں ہے
کیا عجب سماں ہے
ایسی زمین کہاں ہے

کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے
یہ پھولنس کی کُٹی ہے
افسر کی جھونپڑی ہے
کس درجہ سادگی ہے
راحت کی زندگی ہے
کیا شکر ہو الٰہی سب کچھ عطا کیا ہے
میرے وطن کو تو نے جنّت بنا دیا ہے



وقت کی ڈبیہ

نظم بے قافیہ

(بچّوں کے لئے)

اچھّی اماں وقت کی ڈبیہ جو کھُل جائے کہیں
اور یہ گھنٹے اور منٹ سارے نکل بھاگ جائیں
تب مجھے مکتب نہ جانے پر برُا کہنا نہ تم
تب تو مکتب کا نہو گا وقت ہی گویا کبھی
جس قدر گھڑیاں ہیں دنیا بھر میں وہ تو سب کی سب
دیکھ لینا دس بجانا ہی نجا ئیں گی کبھی

دیکھو اماّں اب جو سونے کے لئے لیٹوں نہ میں
تم نہ اب مجھ پر خفا ہونا خطا میری نہیں

کیسے سوئوں ہیں نشاں تک بھی نہ ہو جب رات کا
میری اماّں اب تو راتیں ساری غائب ہوگئیں

اچھی اماّں آج تو اک بات میری مان لو
بس کہانی پر کہانی مجھ سے تم کہتی رہو
تم کہو گی یہ کہانی ختم ہوتی ہی نہیں
ختم ہو جائے کہانی رات جب آگے بڑھے
دیکھ لینا آج سونے کو نہ ہو گی دیر کچھ
وقت کی ڈبیہ کے کھل جانے سے راتیں اڑ گئیں



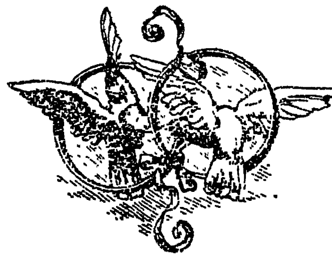
(ماخوذ از ٹگور)

میری امّاں

(بچّوں کے لئے)

رات مجھکو چودھویں کا چاند جب آیا نظر
گود میں لے لوں اُسے جی چاہتا تھا دوڑ کر
پاس پہنچا میں تو مجھ پر راز اِس کا کھل گیا
چاند کب تھا چاند سا چہرہ تھا امّاں جان کا
میں نے دیکھا جب ہٹا پردہ شبِ دیجور کا
صبح نکلی شرق میں دامن سنبھالے نور کا
پاس پہنچا میں تو مجھ پر راز اس کا کھل گیا
صبح کب تھی پیارا چہرہ تھا یہ امّاں جان کا
پھول اک دیکھا کہ جس کو تم نہ دیکھو گے کہیں

پھول ایسے خوشنما گلزار میں ہوتے نہیں
پاس پہنچا میں تو مجھ پر راز اسکا کھل گیا
پھول کب تھا پھول سا چہرہ تھا امّاں جان کا



اے مِرے پیارے وطن!

(ماخوذ از مسز نائیڈو)

(۱)

کیا سناؤں حالِ دل، کیوں کر نوا پرداز ہوں
اس صداؤں سے بھری دنیا میں بے آواز ہوں
اے مرے پیارے وطن!
اِس مرے ٹوٹے ہوئے دل کا بنائے اک رباب
پھر محبت کے ترانے سُن جہاں میں انتخاب
اے مرے پیارے وطن!

(۲)

میں تجھے کیا دوں کہ میں بے بس ہوں میں نادار ہوں

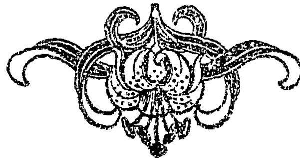
کیا سہارا دوں تجھے مجبور ہوں ناچار ہوں

اے مرے پیارے وطن!

زندگی میری کنول کا پھول بن جاتی اگر

میں تو قدموں پر ترے سو بار رکھتا اپنا سر

اے مرے پیارے وطن!



نوائے مہجور

موہوم امیدوں کو بیٹھا ہوں ابھی رو کے
پھر یاد تری آئی پھر دیگی مجھے دہو کے
ہے سوزشِ پنہاں میں اندازِ دل آویزی
چبھنے لگی پھر دل میں نغموں کی غم انگیزی
ناکامیِ مقصد کا ہے خوف مرادوں میں
قوت نہ رہی باقی پھر میرے ارادوں میں
مانوس ہوں کچھ ایسا پھر میں غمِ الفت سے
گھبرانے لگا پھر دل احباب کی صحبت سے
آنکھوں میں تبسّم کا اظہار نہ کرنا تھا
پھر میری امیدوں میں یوں رنگ نہ بھرنا تھا

اے کاش نہ آنے دے مجھ تک تو خیال اپنا
دیکھا نہیں جاتا ہے اب مجھ سے بھی حال اپنا

اب آنے سے کیا حاصل میرے دلِ مضطر میں
امید کفن اوڑھے سوتی ہے اب اس گھر میں

جب اس سے مرے دل کو تسکین نہیں ہوتی
کیا تیرے تصوّر کی توہین نہیں ہوتی

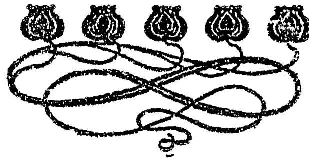
مانا غمِ الفت کا قصہ نہیں بھاتا ہے
پھر کیوں کوئی آآ کر نظروں میں سماتا ہے

اللہ رے بے ہوشی جب ہوش میں ہوتا ہوں
خود ہی کبھی ہنستا خود ہی کبھی روتا ہوں

میرے دلِ وحشی کی اللہ رے تنہائی
معلوم یہ ہوتا ہے دنیا ہے تماشائی

حالت یہ وطن میں ہے مایوس تمنّا کی

انجان سا پھرتا ہو جیسے کوئی پردیسی
ناکام محبت کی اللہ رے مجبوری
ہر قرب کے پردے میں پوشیدہ ہے اک دوری
افسرؔ غمِ الفت میں خاموش ہی رہنا تھا
اِس درد کے قصّے کو اِس طرح نہ کہنا تھا



اے داستان سرا

سارا بیاں ہو تیرا اتہمات سے بھرا
کہہ ایسی داستاں کوئی اے داستاں سرا
گھمسان کی لڑائی پڑی ہو اگر کہیں
دامن کسی کے خوں میں ہوئے ہوں جو تر کہیں
فوجوں کے دل بڑھے ہوئے ہوں سر بکف کہیں
کٹ کٹ کے جوش میں ہو گری صف پہ صف کہیں
سر وہ ہو جو عدو کے مقابل میں خم نہ ہو
میدانِ جنگ عرصۂ محشر سے کم نہ ہو
سارا بیاں ہو ترا اتہمات سے بھرا
کہہ ایسی کوئی داستاں کوئی اے داستاں سرا

یا پھر ہوں عشق کی کہیں ہنگامہ خیزیاں
پھرتا ہو دشت میں کوئی مایوس نوجواں
لانا ہے اسکو ڈھونڈ کے تحفہ کوئی عجیب
اس تحفہ کی تلاش میں حیران ہے غریب
پوری یہ شرط ہو تو ملے اب وہ مہ جبیں
قسمت کے دن پھریں جو یہ مشکل ہو حل کہیں
سارا بیان ہو تو اتہامات سے بھرا
کہہ ایسی داستاں کوئی اے داستاں سرا
یا پھر کوئی پری ہو کہ آئے زمیں پہ وہ
اور ہو فدا پھر ایک جوانِ حسیں پہ وہ
بستر پہ جب وہ رات کو سو جائے نوجواں
لیجائے وہ اڑا کے اسے سوئے آسماں
فرزند وہ جواں ہو کسی بادشاہ کا

ہل چل مچے جہاں میں کہ یہ کیا غضب ہوا
سارا بیاں ہو تیرا اتہمات سے بھرا
کہہ ایسی داستاں کوئی اے داستاں سرا

یا پھر کسی جہاز میں سیّاح چند ہوں
مشغول جس کے تیز ہوائیں بلند ہوں
ٹکرائے وہ جہاز چٹانوں سے ناگہاں
تختوں پہ بہہ کے جائیں مسافر جہاں تہاں
ہر ایک ہوتے ہوتے کنارے پہ آ لگے
پھر رفتہ رفتہ اپنے وطن کا پتہ لگے
سارا بیاں ہو تیرا اتہمات سے بھرا
کہہ ایسی داستاں کوئی اے داستاں سرا



وطن کا راگ

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے
ہر رت ہر اک موسم اسکا کیسا پیارا پیارا ہے
کیسا سہانا کیسا سندر پیارا دیش ہمارا ہے
دکھ میں، سکھ میں، ہر حالت میں بھارت دلکا سہارا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے
سارے جگ کے پہاڑوں میں بے مثل پہاڑ ہمالہ ہے
پربت سب سے اونچا ہے یہ پربت سب سے نرالا ہے
بھارت کی رکھشا کرتا ہے بھارت کا رکھوالا ہے
لاکھوں چشمے بہتے ہیں اس میں لاکھوں ندیوں والا ہے
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

گنگا جی کی پیاری لہریں گیت سناتی جاتی ہیں
صدیوں کی تہذیب ہماری یاد دلاتی جاتی ہیں
بھارت کے گلزاروں کو سرسبز بناتی جاتی ہیں
کھیتوں کو ہریالی دیتی پھول کھلاتی جاتی ہیں
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

ہرے بھرے ہیں کھیت ہمارے دنیا کو اَن دیتے ہیں
چاندی سونے کی کانوں سے ہم جگ کو دھن دیتے ہیں
پریم کے پیارے پھول کی خوشبو گلشن گلشن دیتے ہیں
امن و اماں کی نعمت سب کو بھر بھر دامن دیتے ہیں
بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

کرشن کی بنسی نے پھونکی ہے روح ہماری جانوں میں
گوتم کی آواز بسی ہے محلوں میں میدانوں میں
چشتی نے جو دی تھی مے وہ اب تک ہے پیمانوں میں

نانک کی تعلیم ابھی تک گونج رہی ہے کانوں میں

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

مذہب کچھ ہو ہندی ہیں ہم سارے بھائی بھائی ہیں

ہندو ہیں یا مسلم ہیں یا سکھ ہیں یا عیسائی ہیں

پریم نے سب کو ایک کیا ہے پریم کے ہم شیدائی ہیں

بھارت نام کے عاشق ہیں ہم بھارت کے سودائی ہیں

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

راجا پرجا سب کے مالک سب کا ناتا تجھ سے ہے

دیش میں شوبھا جو کچھ ہے اے دیش کے داتا تجھ سے ہے

بھارت بھاگ بنا دینے کی آس ودھاتا تجھ سے ہے

داتا اب آشس کی بھکاری بھارت ماتا تجھ سے ہے

بھارت پیارا دیش ہمارا سب دیشوں سے نیارا ہے

سنجوگتا

(ایک تاریخی واقعہ)

سنجوگتا[1] حسین تھی، خوش رو تھی، نیک تھی
راوی کا یہ بیاں ہے "ہزاروں میں ایک تھی"
کم ایسے حسن والے ہوئے ہیں جہان میں
شہرہ تھا اسکے حسن کا ہندوستان میں
آیا شباب حسن پہ شادی کا سن ہوا
آخر مقرر ایک سوئمبر کا دن ہوا

---

[1] سنجوگتا جے چند والیِ قنوج کی لڑکی کا نام تھا، پرتھی راج شاہ دہلی سے جے چند کے تعلقات کشیدہ تھے، اسی لئے سنجوگتا کے سوئمبر میں اُسے دعوت نہ دی گئی اور اسکا ایک بت بنا کر دروازہ پر لگا دیا گیا لیکن سنجوگتا پرتھی راج ہی سے شادی کرنا چاہتی تھی اس لئے اس نے پرتھی راج کی مورت کے گلے ہی میں جے مال ڈالی چنانچہ اُسی سے شادی ہوئی۔

گل خوشنما ہر ایک چمن سے لئے گئے
راجا تمام ہند کے مدعو سے گئے
ہاں ایک پرتھی راج کو دعوت نہ دی گئی

جے چند اور اُس میں بہت تھی چلی ہوئی
سنجوگتا کو اسکا بہت ہی ملال تھا،
لیکن پتا کے حکم کا ٹلنا محال تھا

جے چند کو نہ صبر اسی بات پر ہوا
پرتھی کا بت بھی در پہ بنا کر کھڑا کیا
مطلب یہ تھا نظر میں کریں سب کی کم اُسے
درباں کی طرح گویا سمجھتے ہیں ہم اُسے

آخر کو راجہ آئے سوئمبر کے دن تمام
قنوج میں تھا ہند کے شاہوں کا اژدہام

سنجوگتا کا جام محبّت پیے ہوئے
تھے دل میں کیسی کیسی امیدیں لئے ہوئے
آئے تھے ایسے ایسے حسین خوبرو جوان
دیکھے کوئی تو اسکو فرشتوں کا ہو گماں
مشہور راجپوت ہیں ہندوستان میں
ثانی کہاں ہے انکا شجاعت میں شان میں

جے مال ہاتھ میں لئے سنجوگتا چلی
اٹھلاتی گویا باغ میں بادِ صبا چلی
سارے جوان کانپ رہے تھے کھڑے کھڑے
دھڑکا یہ تھا کہ دیکھئے کس پر نظر پڑے
آگے بڑھی وہ ایک نظر سب کو دیکھ کر
دیکھا پھر ایک بار ٹھہر کر اِدھر اُدھر

سنجوگتا کے دل میں بسی تھی کسی کی بو
آنکھیں کسی کو ڈھونڈ رہی تھیں چہار سو
آخر وہ مورتی کی طرف سوئے در بڑھی
اور مالا پرتھی راج کی گردن میں ڈال دی،



بانسری بجائے جا!

بے خودِ[1] کیفِ نغمہ کو وجد میں آج لائے جا — دل کو تو درد کر دیا درد کو دل بنائے جا
اپنی صدا کے سوز سے آگ یوں ہی لگائے جا — ہجر کا راگ گائے جا نغمۂ غم سنائے جا

اے گدائے بے نوا، بانسریِ بجائے جا

عشق کا راز کھول دے نغمۂ جاں نواز میں — آج ترانہ ریز ہو بے خودیِ نیاز میں
تیری صدا ہے باریاب درگہِ حسن و ناز میں — راگ کو رہنما بنا منزلِ پاگداز میں

اے گدائے بے نوا، بانسری بجائے جا

سارا جہان بھر گیا تیری صدائے درد سے — نظمِ فلک بھی گونج اٹھا تیری صدائے درد سے
کیفِ سکونِ غم بڑھا تیری صدائے درد سے — دل کی تڑپ ہوئی سوا تیری صدائے درد سے

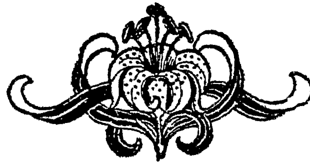
اے گدائے بے نوا، بانسری بجائے جا

---

[1] اس نظم کے بند بحر رجز مثمن مطوی مخبون میں ہیں اور ٹیپ کا مصرعہ بحر متدارک مثمن مذال میں ہے

اے کہ سکونِ مست میں تو ہے ترنّم آفریں   نرم ہے کیف ریز ہے تیری صدائے دل نشیں
محو ہے اپنے راگ میں ہائے تجھے خبر نہیں   دیکھ سمٹ کے آ گئی سارے جہان کی زمیں

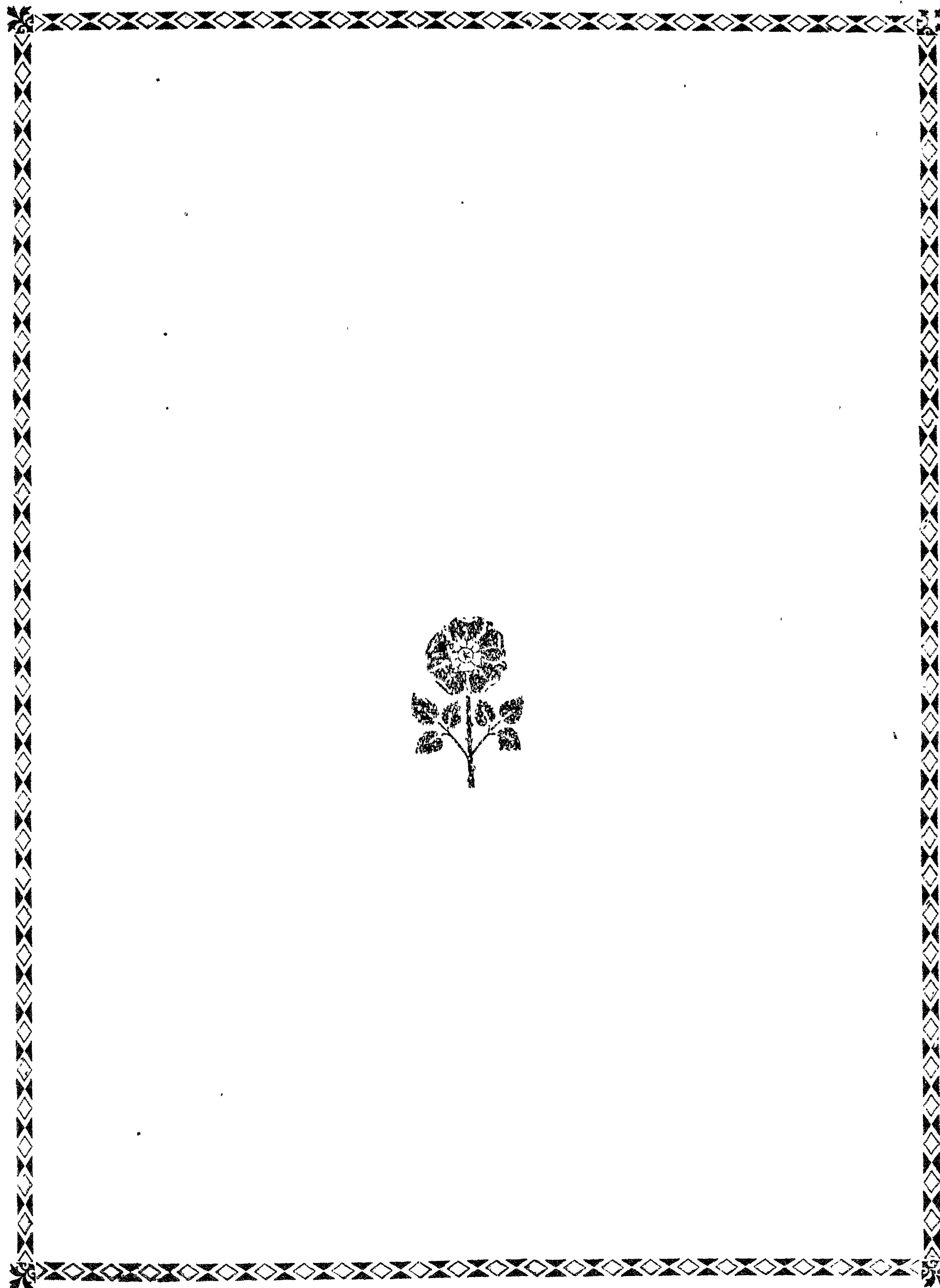
اے گدائے بے نوا، بانسری بجائے جا



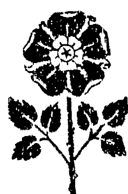
ضعیفہ

ہائے ضعیفی اُس عورت کی جس پر رشک تھا پھولوں کو
شمع کوئی روشن ہو جیسے ایک عبادت خانے میں
کیا انجام ضعیفی بھی ہے بچپن اور جوانی کا
ختم پہ ہو تو کیف عجب کچھ ہوتا ہے افسانے میں
افسر ہائے ضعیف لبوں کے لفظ بھی کیسے پیارے ہیں
جیسے عجب کچھ رس ہوتا ہے شب کو دور کے گانے میں





پرتوِ افکار



نشاطِ خیال

مانا وہ چھپنے والا ہر دل میں چھپ جائیگا
لیکن ڈھونڈنے والا بھی ڈھونڈے گا اور پائیگا

کیا ہوتا ہے محبت میں، یہ مجھکو معلوم نہیں
جس نے آگ لگائی ہے وہ خود آگ بجھائیگا

میں تو نام کا مالی ہوں پھولوں کا رکھوالا ہوں
جس نے بیل اگائی ہے خود پروان چڑھائیگا

جس نے خزاں کو بھیجا ہے اسکے پاس بہار بھی ہے
جس نے باغ اُجاڑا ہے وہ خود پھول کھلائیگا

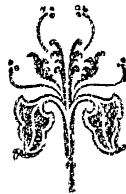
زانو کا تکیہ ہوگا مٹی کا بستر ہوگا
گھر گھر جس کا چرچا ہے میرے گھر بھی آئیگا

افسرؔ میرے کانوں میں کوئی یہ کیا کہتا ہے
وہ سرکار ہماری ہے بے مانگے بھی پائیگا

عالمِ کیف میں

حسن والے دیکھنے دے حسنِ بے پردا مجھے
آئینا دے پھر ذرا موسیٰ کا چہرا مجھے
تو ہو میں ہوں اور کوئی دیکھنے والا نہ ہو
ہو اگر خلوت تو خلوت ہی رہے موسیٰ نہ ہو
پردہ جو حائل من و تو میں ہے وہ بھی چاک ہو
حسنِ مطلق بے حجابانہ رہے بیباک ہو
تو تبسم بن کے لہرا جائے اور میں لب بنوں
نور تیرا مجھ میں چمکے اور میں کوکب بنوں
میں بنوں بادل تو اس بادل میں پانی تو بنے
میں بنوں دریا تو دریا کی روانی تو بنے

پھول میں ہوں اور پھر اُس پھول کی خوشبو ہو تو
اور ہوا کے ساتھ پھیلے ہر طرف ہر سو ہو تو
میں بنوں بلبل اور اس بلبل کا نغمہ تو بنے
یوں ملیں دونوں کہ موسیقی کا اک دریا بنے
میں تو دل ہو جاؤں تو دل کے لئے پہلو بنے
پھر محبّت میں بنوں اور دل کی دھڑکن تو بنے
ایک جب ہو جائیں ہم دونوں تو پھر کھو جاؤں میں
تیرے پہلو میں ہمیشہ کے لئے سو جاؤں میں



جرمنی کی تباہی

آہ سچ ہے کوہ کو بھی کاہ کر دیتا ہے تو
جرمنی کا حال جس نے بھی سنا دل ہل گیا
کیا اثر ہوا ب گٹے کا نیٹشے کی کیا چلے
اُف! دماغ و دل جہاں کا خاک و خوں میں مل گیا
آتی ہے برلن کے ایوانوں سے ابتک یہ ندا
ہائے اک شب ہی میں رنگِ صحبتِ محفل گیا



راحت

محوِ تلاش راحت تو یہ بھی جانتا ہے
کہتے ہیں جسکو راحت وہ غم کی انتہا ہے

خواہشیں پوری ہوئیں تو اور تکلیفیں بڑھیں
خواہشوں کے ترک کر دینے سے راحت مل گئی

دنیا ہے کیا؟ یہ بھول جانا ہوگا
دنیا میں بہشت اک بنانا ہوگا
راحت ہر شخص کو میسّر ہوگی
اللہ اللہ کیا زمانہ ہوگا

راحت کے خمار کی یہ کثرت ہوگی
مے کی نہ زمانے کو ضرورت ہوگی
زندہ ہیں تو ہم بھی دیکھ لیں گے افسرؔ
دنیا جسے کہتے ہیں وہ جنّت ہوگی

خدا اور گناہ

ہے گناہوں کے لئے بھی تری رحمت در کار
پس ہر انسان گنہگار نہیں ہو سکتا
تیری امداد نہ انکار میں شامل ہو اگر
کسی قانون سے انکار نہیں ہو سکتا

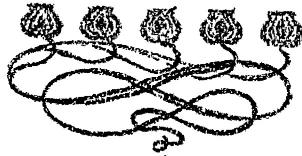
یہ خبر تک نہیں ہوتی ہے گنہگاروں کو
کہ گناہ کرتے ہیں ہم اور گنہگار ہیں ہم
شاید احساس تجھے بھی یہ نہیں ہوتا ہے
کہ کرم کرتے ہیں ہر ایک پہ غفّار ہیں ہم

تجھکو کوئی کبھی ناراض نہیں کر سکتا
تو کسی سے کبھی ناراض نہیں ہوتا ہے
میرے مولا تجھے ہنستے ہوئے پایا اکثر
مال جب ایک چراتا ہے اور اک سوتا ہے

عدمِ حسن سے بڑھ کر نہیں دنیا میں گناہ
روح میں حسن اگر ہے تو گنہگار نہیں
اصل میں حسن ہے اوصافِ خدا میں شامل
حسن کو گر وہ نہ بخشے گا تو غفّار نہیں

رہِ راست مَرو

اگر تو نہ رستے سے بھٹکے کبھی — تو پھر اور راہیں نہ معلوم ہوں
جو تو ایک رستے پہ قایم رہے — نشاں سارے منزل کے معدوم ہوں
خدا کو گناہوں میں پائیں نہ گر — تو انساں زمانے کے معصوم ہوں
بدوں سے بھی کچھ میل رکھیں نہ گر — تو نیک اس جہاں میں نہ مظلوم ہوں
جو پاتے نہیں غم میں سچی خوشی — وہ ہیں مستحق غم کے مغموم ہوں



اندھیری رات اور بجلی

میں نے یہ سمجھا کہ شاید میں کہیں کھو یا گیا
اے مرے اللہ! کس درجہ اندھیری رات ہے
بجلیوں کی جلوہ پاشی نے بتایا ہے مجھے
یعنی خاموشی ہے میں ہوں اور میری رات ہے

یہ اندھیری رات کیا ہے پوچھنے والے نہ پوچھ
خود یہ تیری تیرگیِ طبع کی تصّویر ہے
عجلتِ بیتابیِ برقِ تپاں کا ذکر کیا
پڑھ سکے تو پڑھ! تری قسمت کی یہ تحریر ہے

کمزوریاں

مبارک ہیں دنیا کے کمزور لوگ
مبارک ہیں دنیا میں کمزوریاں
یہی وصف کچھ کم نہیں ہے کہ تو
جہاں میں کسی پر نہیں ظلم راں

سمجھ لو کہ اب جنگ ہونے کو ہے
اکھٹے ہوئے زور والے جہاں
ہلاکت کے سامان ہوتے ہیں رونہ
ہیں کٹ کٹ کے مرنے کی تیاریاں
یہ آپس میں زور آزمائیں گے جب
خود اپنا مٹادیں گے نام ونشاں

نہ ہوں زور والے تو ہو نگی نہ پھر
خدا کی زمیں پر یہ شرخیزیاں
اگر صرف کمزور دنیا میں ہوں
محبت سے بھر جائے سارا جہاں

وہ بھی زمانہ آئیگا

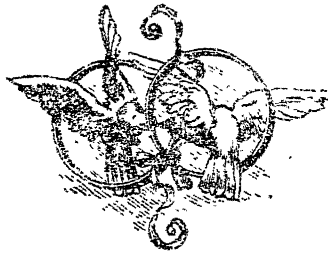
رہبر خود گمراہ ہوئے ہیں، آج زمانہ ایسا ہے
ہر اک گام پہ منزل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئیگا
دولت ہے نیکی میں داخل، آج زمانہ ایسا ہے
دولت جرم میں داخل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا
آج اندھیرا ہے ہر گھر میں آج زمانہ ایسا ہے
جگ مگ جگ مگ محفل ہوگی وہ بھی زمانہ آئیگا
ہر مشکل آسان ہوئی ہے، آج زمانہ ایسا ہے
ہر آسانی مشکل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئیگا
دنیا میں راحت نہیں ملتی، آج زمانہ ایسا ہے
سچّی راحت حاصل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئگا

خوش دل ہونا بھی ہے اچھا، آج زمانہ ایسا ہے

سارى دنیا خوش دل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئیگا

کشتی ہے گرداب میں ہے افسرؔ آج زمانہ ایسا ہے

کشتی نزدِ ساحل ہوگی، وہ بھی زمانہ آئے گا



دولت

جو لوگ کہ عزّت کی بلندی پہ چڑھے ہیں
اکثر وہ غریبی میں پلے اور بڑھے ہیں

اہلِ دولت جو غریبوں پہ نظر کرتے ہیں
لوگ کرتے ہیں اسے جود و سخا سے تعبیر
اور غریبوں نے اگر اہلِ دول کو چھیڑا
تو وہ کہتے ہیں کہ "اُبلا ہے بغاوت کا خمیر"

سچی راحت تو زر و نقد کی کثرت میں نہیں
صاحبِ زر سے زیادہ کوئی آفت میں نہیں

مجھ سے پوچھو تو ہے دولت ہی ہلاکت کا سبب
ساتھ لائیگی خزاں کو جو بہار آئی بھی
جتنا تم چاہو یہ انبار بڑھاتے جاؤ
بڑھتی جائیگی ادھر غار کی گہرائی بھی

بستیاں اور جنگل

گھر میں تیرے گر کوئی جنگل نہیں،
لطف کیا جو گھر ترا جنگل میں ہے
تو نے کب پایا خدا بستی میں تھا
تجھکو کیا ہے گر خدا جنگل میں ہے

ہے تجھے گر دشتِ خلوت کی تلاش
بستیوں سے دشت خلوت ہے قریب
اپنی خلوت ایک دنیا ہے جسے
اُسکو دنیا ہی میں خلوت ہے نصیب

فلسفۂ کامیابی

جو سب سے بدتر تھے اس جہاں میں ہیں اُنکے وارث ہی سب سے بہتر
رکاوٹیں جس قدر ہوں پیدا اُسی قدر کامیاب ہو گے
یہ چھاؤں جس سے گذر رہے ہو ثبوت بیّن ہے دھوپ کا خود
شکست کا لطف پا چکے ہو تو ایک دن فتحیاب ہو گے

خزاں اُجاڑے گی جس چمن کو بہار آئے گی اُسی چمن میں
اُسے خوشی بھی نہ ہوگی حاصل جسے کبھی غم نہیں رہا ہے
خدا رسیدہ بزرگ ہونا اُسی سے ممکن ہے اس جہاں میں
گناہگاروں میں جو یہاں کے کسی سے کچھ کم نہیں رہا ہے

جو بے بسی میں گرے ہیں افسر، وہی تو گہرائی سے ہیں واقف

جو دل سے نکلا ہے کوئی نالہ، فلک پہ وہ باثر رہا ہے

بلندیوں پہ وہی چڑھیگا نشیب میں جو اتر سکیگا

جو چوٹیوں پر گیا ہے رستہ وہ گھاٹیوں سے گذر رہا ہے



زندگی اور موت

زندگی کیا ہے ؟ کسی نادان سے پوچھو اگر
یہ کہیگا گھپ اندھیرے میں شعاع نور ہے
زندگی کیا ہے ؟ جواب اسکا یہ دیگا اک فہیم
نور میں دھبّہ ہے تاریکی کا لیکن دور ہے

بعد مرنے کے جو پوچھو تم کہ کیا پیش آئیگا
میں کہوں گا وہ جو پیش آتا ہے پیدائش کے بعد

زندگی اور موت دو ساتھی ہیں جو ہر روح کو
باری باری سے لئے جاتے ہیں منزل کیطرف

راحت اور گناہ

ٹھہرا و جانیوالے زندگی کی شاہراہوں پر
بنا رکھی ہے تو نے اپنی راحت کی گناہوں پر
گناہوں کا ترے معیار بھی خود اک معمّا ہے
تجھے خود بھی نہیں معلوم تیرا مدعا کیا ہے
کہیں اے کاش اتنی بات تیرے دل نشیں ہوتی
جسے کہتے ہیں راحت وہ گناہوں میں نہیں ہوتی
تجھے لیکن گناہوں میں اگر راحت میسّر ہے
تو یہ راحت نہیں ہے بلکہ اک دھوکا سراسر ہے
تری راحت اگر اے ہم نفس راحت حقیقی ہے
تو جسکو معصیت کہتا ہے تو وہ عین نیکی ہے

فرشتے سے خطاب

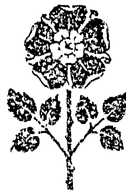
اے فرشتے اے مقدس روح تجھ پر ہو سلام
آج ہمت کر کے ہوتا ہوں میں تجھ سے ہمکلام
میرے دل میں جاگزیں ہیں تیری سب اعلیٰ صفات
پوچھتا ہوں میں بصد تعظیم تجھ سے ایک بات
تیری دنیا ہے جہاں ہوتا نہیں ہے غم وہاں
غم سے تو نا آشنا ہے تو سکونِ دل کہاں
غم میں کتنا کیف ہے یہ بھی تجھے معلوم ہے
کیفیت سے یہ تری روحانیت محروم ہے
لطف راحت کا نہیں ملتا ہے جب تک غم نہ ہو
وہ خوشی کی قدر کیا جانیں جہاں ماتم نہ ہو

ہوتی ہے رنج و مصیبت سے جِلا ہر روح کو
غم سے رفعت ہوتی ہے اکثر میسّر روح کو
کچھ خبر ہے دل کی دھڑکن میں ہے لذّت کسقدر
آنسوؤں میں کیف بھرتی ہے محبّت کسقدر

خواب میں بھی جب نظر آئے نہ تاریکی تجھے
نور والے! نور ہی کی قدر کیا ہوگی تجھے
رنج و غم لازم نہیں ہے کچھ گناہوں کے لئے
اور بھی اکثر سبب ہوتے ہیں آہوں کے لئے
حد سے جب گذرے اولوالعزمی تو ہوتا ہے ملال
غم گناہوں کا نتیجہ ہی نہیں اے خوش خصال

میں نے یہ مانا خدا سے ہے بہت ہی تو قریب

جانتا ہوں تجھکو ہر لحظہ حضوری ہے نصیب
لیکن اے نورِ مجسّم یہ بھی ہے تجھکو خبر
ہم سے ہے نزدیک تیرا حسن والا کس قدر
آکے دیکھے گر تو رگ رگ میں اُسے پائیگا تو
اتنی قربت دیکھکر حیراں رہ جائیگا تو
خاک کے پتلوں میں جلوہ اپنا دکھلاتا ہے وہ
دیکھ تو آکر ہر انساں میں نظر آتا ہے وہ
ہائے اقصرؔ ہے ہمارا دکھ مبارک کس قدر
دل میں سُکھ بنکر وہ آتا ہے کبھی دُکھ ہوا کر



خیالستان

مشینیں

نظر کو وسعتیں حاصل نہ ہونگی دوربینوں سے
خدا تک ہو نہیں سکتی رسائی ان مشینوں سے

مذہب

مذاہب کیا ہیں؟ راہیں مختلف ہیں ایک منزل کی
ہے منزل کیا؟ جہاں سب کچھ ہے پر راہیں نہیں ہوتیں

ضبط

چمن میں کہہ رہا تھا غنچۂ نشگفتہ بلبل سے
جہاں ہے ضبط کی قوّت وہاں آہیں نہیں ہوتیں

دشمن

دشمنوں کی قدر تو کچھ میرے دل سے پوچھئے
دشمنی کا لطف اسے کیا جسکے دشمن ہی نہوں

ہیں ترے دامن تو دامن تھامنے والے بھی ہیں
خار پھر کس چیز سے الجھیں جو دامن ہی نہوں

غم

غم سے کیفیت ترے دل کو نہ حاصل ہو اگر
پھر تو اے غم کے فدائی تو کبھی غمگیں نہو

سالک اور وحشی

اگر کوئی جنگل میں جا کر رہے
تو لوگ اسکو سالک بتانے لگیں
بنالے کوئی گھر میں جنگل اگر
تو سب اسکو وحشی بنانے لگیں

یورپ اور ایشیا

سرزمینِ پاک تھی جو مرکزِ نور و ضیا
اُسکو خود ہی تو نے شمعِ کشتۂ محفل کیا
آج یورپ مقتدر ہے ایشیا پامال ہے
قافلہ سالار کو گردِ رہِ منزل کیا

محبّت

سمجھتے ہیں جسے ہم زندگانی وہ محبّت ہے
محبّت سے الگ جو کچھ ہے اُسکو موت کہتے ہیں

دولت مندی

ایک ہو دیوانِ حافظ دوسری گیتا بجلی
ہوں یہ دو چیزیں تو پھر انسان دولت مند ہے

دل کی بات

حالت ہماری رات چھپائے نہ چھپ سکی

آنکھوں سے دل کی بات چھپائے نہ چھپ سکی

عورت

عورت مٹا تو دیتی ہے دلکی خراش کو لیکن اسی سے ہوتی ہے دل میں خراش بھی
عورت سے ہے سکون میسر یہ سچ مگر عورت نہو تو ہو نہ سکوں کی تلاش بھی

نیکی اور بدی

چاہتا ہے روح کی پاکیزگی دنیا میں گر اپنے عیبوں سے زیادہ نیکیوں پر رکھ نظر
پہلے دھبے نیکیوں کے اپنے دامن سے مٹا پاک رہنا چاہتا ہے تو گناہوں سے اگر
نیکیاں کثرت سے ہیں گہوارۂ کردارِ بد پھول بھی تو خار بن جاتے ہیں اکثر سوکھ کر

"خیال اچھا ہے"

اُنکی پرواز اُنہیں تا بہ فلک لے پہنچی
ہم یہی سوچ رہے ہیں کہ خیال اچھا ہے



پیامِ رُوح

مسافر زندگی کے کس لئے مغموم ہوتا ہے
تجھے شاید یہ رستہ کچھ کٹھن معلوم ہوتا ہے
ادھر آ سن میں تیرے واسطے پیغام لایا ہوں
سفر میں بھی تیرے ساتھ ہی چلنے کو آیا ہوں
ہے منزل تجھ میں خود موجود اپنا راہبر ہو جا
خود اپنی روح کی گہرائیوں سے باخبر ہو جا
خبر تجھکو نہیں شاید کہ ہے در باز ہستی کا
ہے مضمر ذات میں تیری ہی خود، کُل راز ہستی کا
ہے تجھ میں جلوہ افگن مہرِ تاباں تو وہ ذرہ ہے
تری ہستی بڑی ہستی ہے تو یہ بھی سمجھتا ہے

نظر کر خود پہ اک مظہر ہے تو شانِ جلالی کا
کہ تیری ذات میں ہے عکس حسنِ لایزالی کا
نظر آتا ہے تو بھی جلوۂ معبودِ برحق میں
کہ تیری روح بھی جلوہ نما ہے روحِ مطلق میں
ابھی تک تو نے رکھی ماسواہی پر نظر اپنی
تجھے کرنا ہے پیدا کچھ بھروسہ ذات پر اپنی
تری نادانیوں کا چشم و دل پر تیرے قبضہ ہے
انہیں نادانیوں کا نام تو نے غم بھی رکھا ہے



طلوعِ صبحِ نو ہے رات دنیا سے ہوئی رخصت
ابھی تک تیری آنکھوں پر پڑا ہے پردۂ غفلت
حیاتِ نو کا جلوہ ہو گیا طاری فضاؤں میں
ہیں نغمے منتشر راحت کے دنیا کی ہواؤں میں

محبّت اور خوشی ہے زندگی تجھکو خبر بھی ہے
محبت اور خوشی کا نام ہی دنیامیں نیکی ہے

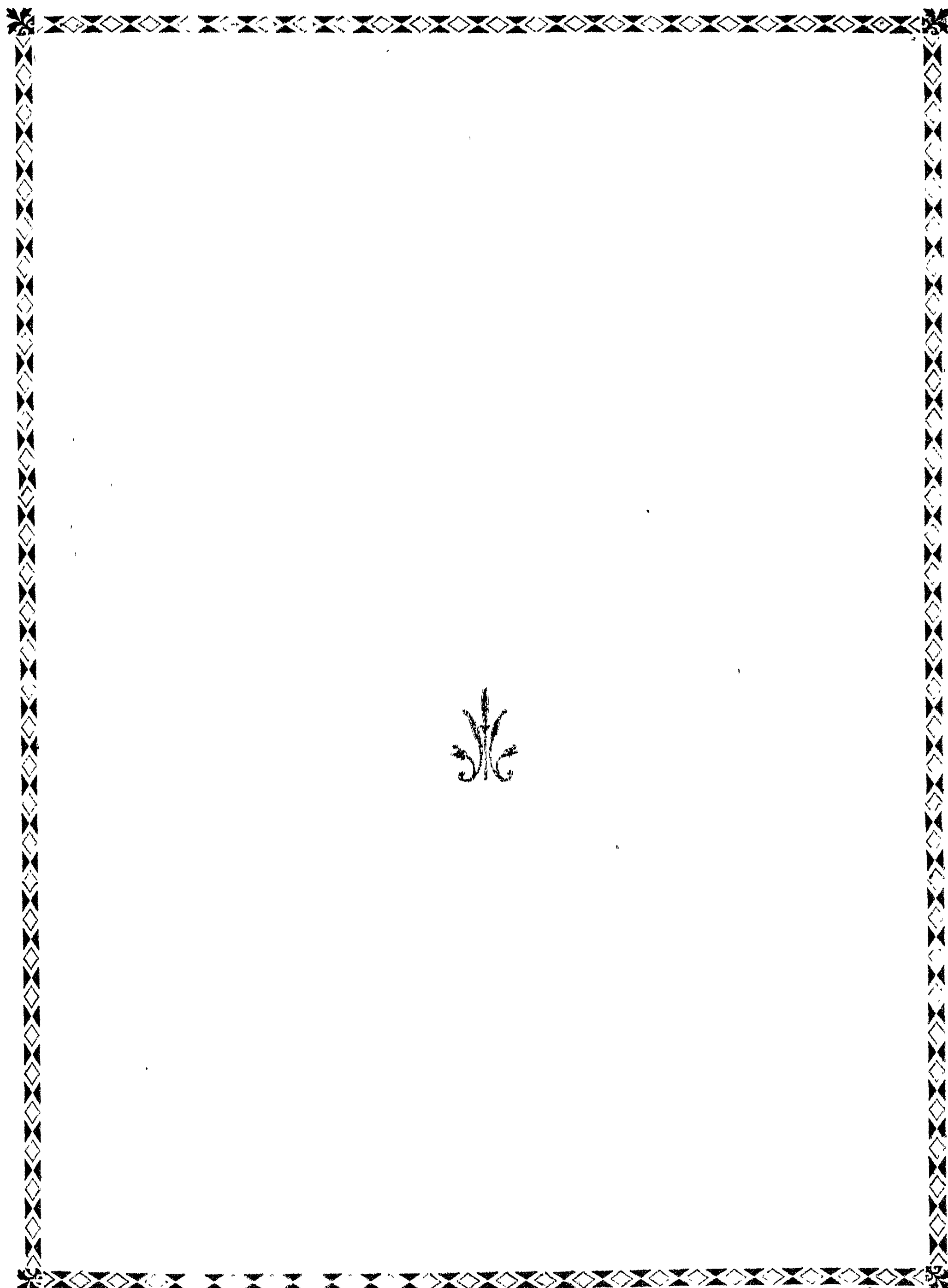
محبّت اس جہاں کے ذرّے ذرّے سے ٹپکتی ہے
نہ دیکھے تو، تو یہ تقصیر خود تیری نظر کی ہے

خوشی ہر چیز سے پیدا ہے اس دارِ مسرّت میں
خوشی کا حس نہو تجھکو تو خود ہی تو ہے غفلت میں

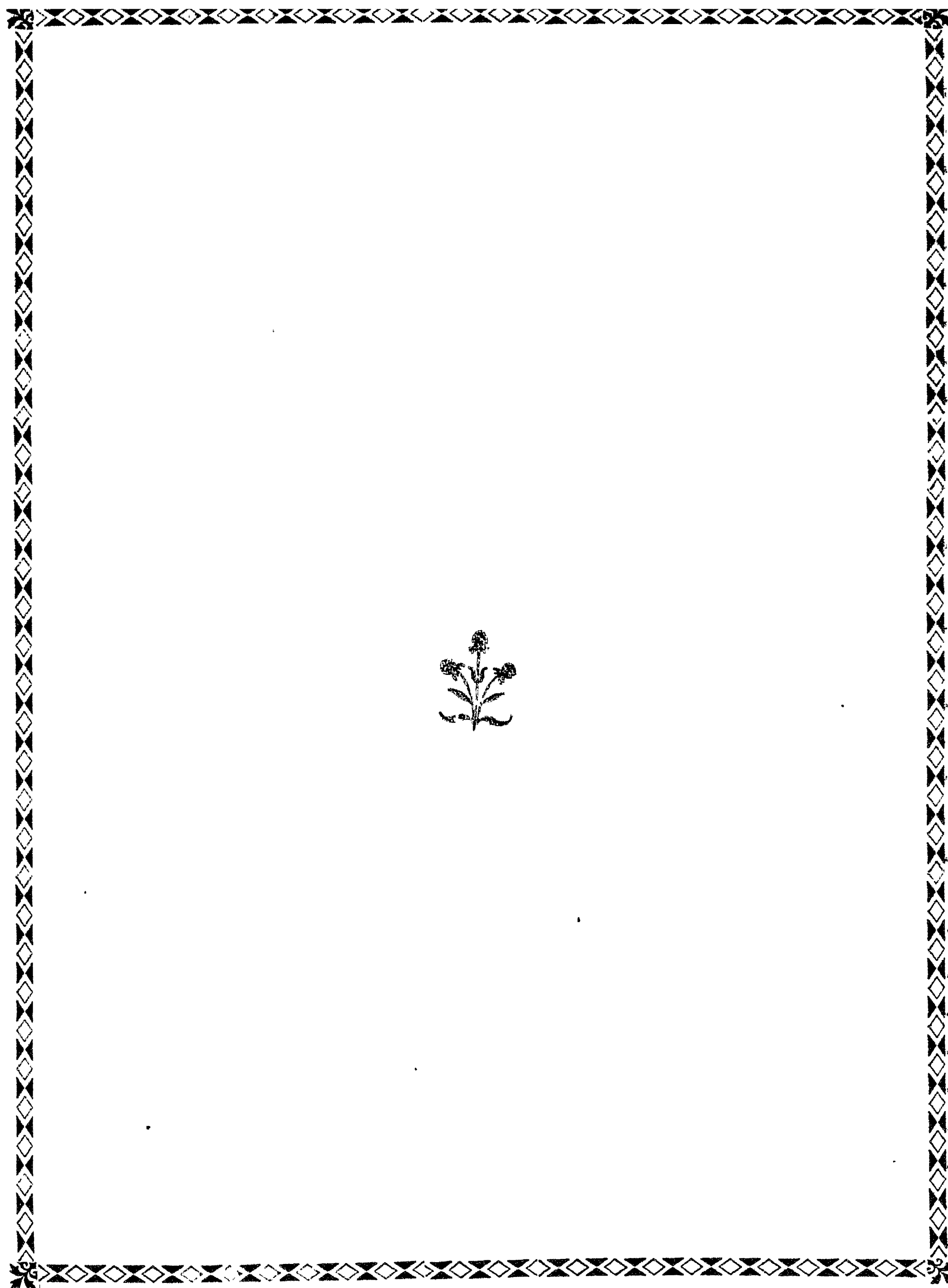
جہاں لبریز ہے جب جلوہ نورِ حقیقی سے
خوشی نورِ حقیقی میں نہو کیونکر یہ ممکن ہے

جہاں میں ہر طرف سرچشمۂ راحت کا جلوہ ہے
کوئی طالب تو ہو راحت کا، راحت کی کمی کیا ہے

کوئی دن میں یہاں روحانیت چھا جائیگی سب پر
یہی دنیا کسی دن خلد کہلائیگی اے افسر



غزلیات



(۱)

ہزار نیرنگیوں کے مالک مجھے بتادے یہ کیا ستم ہے؟
کہ تیرے کعبہ میں رہنے والا کبھی خدا ہے کبھی صنم ہے

وہاں زمانہ یہ سوچتا ہے کہ اپنی جنت یہیں بنالیں
یہاں ابھی ہم سمجھ رہے ہیں سکون وراحت جہاں میں کم ہے

کہیں بہلتی نہیں طبیعت، الٰہی کیا ہوگیا ہے مجھکو
عجب ہے اِس وقت دلکی حالت نہ کچھ خوشی ہے مجھے نہ غم ہے

عجب ہے اے رات تیری حالت کہ تجھ میں وحشت بھی ہے سکوں بھی
یہ راز کیا ہے مجھے بتادے تجھے ترے چاند کی قسم ہے

مجھے بتانا تھا حال کچھ تو وہ پوچھتے تھے کہ حال کیا ہے
مگر میں بے اختیار افسرؔ یہ کہہ اٹھا "آپ کا کرم ہے"

(۲)

ڈھونڈنے والے جو پیدا ہوں تو سب کچھ ہے یہیں

چھپنے والا کہہ رہا ہے ڈھونڈنے والے نہیں

اُف رے یہ ذوقِ عبادت کی عجائب کاریاں
دل کہیں ہے میں کہیں سجدہ کہیں ہے سر کہیں

بعدِ ظاہر کچھ نہیں ہلکے سے پردے کے سوا
ہم یہیں ہیں تم یہیں گو ہم کہیں ہوں تم کہیں

چاہتے ہیں اب تو یہ سودائیانِ جستجو
کاش منزل پر کوئی کہدے کہ یہ منزل نہیں

ہیں مرے اشعار افسرؔ اگلی نسلوں کے لئے
سننے والے میرے نغموں کے ابھی آئے نہیں

(۳۲)

(فی نعت النبیؐ)

یہ حال اے خدا کے پیامی! جمال کا — بدلا ہوا ہے رنگ ہی بزمِ خیال کا
کمبل کی اک ردا سے لرزتے تھے شاہ تک — یہ سادگی اور آپ پہ یہ عالم جلال کا

ہے وحدت الرجال کلیدِ نجاتِ دہر
کوئی بھی تجھ سے پہلے نہ تھا اس خیال کا
یہ جانتا ہوں تو نے خدا کا پتہ دیا
آگے خدا کو علم ہے اب تیرے حال کا
وہ نورِ اعتماد کہ کھلنے نہ دے زبان
افسرؔ تھا کس کو ہوش جواب و سوال کا

(۴)

کس نظر سے آفتاب کو آسماں دیکھا کیا
اور تو اے چارہ سازِ بے کساں دیکھا کیا
میں نے یوں دل کی کہانی کا اثر قایم رکھا
ہر گھڑی تھم تھم کے رنگِ داستاں دیکھا کیا
رہروِ راہِ طلب کی اُف رے یہ رسوائیاں
ذرّہ ذرّہ کو میں اپنا راز داں دیکھا کیا
تھک کے شاید رہ گیا تھا کوئی رکنِ کارواں
دور تک مڑ مڑ کے سارا کارواں دیکھا کیا
کر کے خوں لاکھوں ستاروں کا ہوئی ظاہر سحر
کیفِ عبرت زا کا میں افسرؔ سماں دیکھا کیا

(۵)

مقدر میں ستم سہنے کو عمرِ جاوداں رکھدی
شہیدِ غم کی دو لفظوں میں ساری داستاں رکھدی

قفس میں تو نہ تڑسا اے تصور کیا قیامت ہے
یہاں کیوں لا کے تصویر بہار بوستاں رکھدی

دل و ے میری شام ہجر کو صبح قیامت سے
الٰہی کیوں تڑپنے کو شبِ غم درمیاں رکھدی

مرے دل کو تسلی دے گئی لب بستگی انکی
الٰہی تو نے خاموشی کے منہ میں بھی زباں رکھدی

کوئی دردآشنا ہوگا ہی اتنے سننے والوں میں
غزل میں آج افسر میں نے اپنی داستاں رکھدی

(۶)

یاس ہے، حسرت ہے، غم ہے اور شبِ دیجور ہے
اتنے ساتھی ہیں مگر تنہا دل رنجور ہے

تیرا جانا تھا کہ غم خانے پہ وحشت چھا گئی
میں یہ سمجھا تھا مرے گھر سے بیاباں دور ہے

ہائے کوئی بے خبر ہے محوِ آرائش ادھر
کوئی دل تھامے اِدھر بیٹھا ہے اور مجبور ہے

ہیں سرِ منزل مگر سودائیانِ جستجو

پھر رہیں سرگرمِ سفر کہتے ہیں منزل دور ہے

جب غرض والا کوئی آیا تو آنکھیں پھیر لیں

تم ہی پر کیا ہے زمانے کا یہی دستور ہے

جھلملانے والے تارو! تم نے یہ کیا کر دیا

ذرّہ ذرّہ عالم ایجاد کا مخمور ہے

شب کی خاموشی میں ہے تیرا تصوّر تیری یاد

ہائے کیا سامانِ تسکینِ دلِ رنجور ہے

اپنے ہر آنسو کے قطرے میں جھلک پائی تری

میں یہ سمجھا تھا کہ تو مجھ سے بہت ہی دور ہے

رو رہا ہے کوئی سنّاٹے میں آدھی رات کے

دیکھ تو لیں چل کے، شاید افسرؔ مہجور ہے

(۷)

دیدنی تھا عالمِ محوِ جمالِ روئے دوست

ہاتھ دونوں دل کو تھامے تھے نظر بھی سوئے دوست

قربِ باطن نے مٹایا بُعدِ ظاہر کا اثر
دوست ہم پہلوے دل ہے دل ہے ہم پہلوئے دوست

ہائے اب کیسے چھپاؤں عشق ہیں آتش بہ دل
میرے ہر اک سانس سے آنے لگی ہے بوئے دوست

آپ بیتی ہے کہ مر مر کر جیا ہوں بار ہا
ہائے کتنی روح افزا ہے ہوائے کوئے دوست

مجھ سے رخصت ہو رہے ہیں کیوں مرے ہوش و حواس
میں نے تو جی بھر کے دیکھا بھی نہیں ہے سوئے دوست

ہائے کیا دلکش ہے حسنِ عشق افزائے بہار
مجھکو ہر اک پھول سے آتی ہی افسر بوئے دوست

(۸)

ہے خود مری کوششوں کا حاصل یہ آج ہے جو مآل میرا

کہ خواب ہے ایک میرا ماضی اور اُسکی تعبیر حال میرا

جہاں میں ہیں اور بھی تو قصّے کچھ اور کہہ داستاں سرا تو
یہ کیا ستم ہے کہ خود مجھے ہی سنا رہا ہے تو حال میرا

یہ راز کیا ہے یہ بھید کیا ہے کہ ہر ضیا میں ہے حسن تیرا
خدا ہزاروں بنا بنا کر دکھا رہا ہے خیال میرا

میں پوچھتا ہوں کہ تو کہاں ہے جواب ملتا ہے ہر طرف سے
اگر کوئی کام لے نظر سے تو ہر جگہ ہے جمال میرا

اسی روش پہ چلے گی دنیا مجھے نظر آ رہا ہے افسر
نہیں ہے گو آج ساری دنیا میں ایک بھی ہم خیال میرا

(۹)

کیوں صبح نہ ہو جاتی کیوں دن نہ عیاں ہوتا
ہر رات کے پردے میں اک دن جو نہاں ہوتا

دنیا میں اگر آکر تو راز نہ بن جاتا
پھر کیوں کوئی دنیا میں مجبور فغاں ہوتا

پھر حسن کے عالم میں کیونکر یہ خلش ہوتی
تم دل میں اگر رہتے تو درد کہاں ہوتا

ہستی مری وحشت کا افسانہ بنی کیونکر میں حسنِ شبِ مہ تھا تاروں میں نہاں ہوتا

(۱۰)

تو خیالوں میں بسا ہے اور ہم مسرور ہیں

حسن والے تجھ میں کیسی راحتیں مستور ہیں

کہہ رہے ہیں ڈھونڈنے والے سرِ منزل کھڑے

یہ بتا دے کوئی ہم منزل سے کتنی دور ہیں

صنفِ نازک نکلے اینٹیں ڈھو رہا ہے تیرا حسن

دیکھنے والے سمجھتے ہیں کہ یہ مزدور ہیں

کس سے پوچھوں اس اندھیری رات میں تیرا پتہ

آسماں پر چند تارے ہیں مگر وہ دور ہیں

کیا عجب ہے داروالوں کا پتہ ملتا نہیں

اب بھی اس دنیا میں اقسر سیکڑوں منصور ہیں

(۱۱)

جب رات رات بھر وہ ستائے تو کیا کرے
اب حشر صبح کو نہ اُٹھائے تو کیا کرے

تاروں کا گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے

کیا کیا دعائیں موت کی مانگی ہیں رات بھر
پھر بھی کسی کو موت نہ آئے تو کیا کرے

دنیا میں اک سکوں کا ذریعہ ہو جب یہی
انسان تجھ سے لو نہ لگائے تو کیا کرے

افسرؔ کوئی تو دل کے بہلنے کی ہو سبیل
تنہائی میں غزل بھی نہ گائے تو کیا کرے

(۱۲)

شمع کے پہلو میں نیند آ گئی پروانے کو
اپنے مطلب کا بہت ہوش تھا دیوانے کو

اللہ اللہ ترا جوشِ عطا اے شبنم !
بھر دیا تو نے تو ہر پھول کے پیمانے کو

داستاں دل کی مرے ثبت ہے ہر آنسو پر
میں نے رو رو کے سُنایا ہے اِس افسانے کو

مژدہ مرگِ خوش انجام ہے دل کا بجھنا
شمع دھیمی ہوئی پیغام سحر لانے کو

پُر ہے نغموں سے فضا محو ہے دنیا ساری
چاندنی رات میں نکلا ہوں غزل گانے کو

موت اک فرصت اوّل ہے جو ہو دل کو نصیب   زندگی کہتے ہیں رہ رہ کے تڑپ جانے کو
موت کے خواب کی تعبیر ہے تجدید حیات   یعنی اوّل سے سنائیں گے پھر افسانے کو
پتّے پتّے میں ہے وہ راز جو کھولے نہ کھلے
یہ گھنے باغ ہیں افسر مرے کھو جانے کو

(۱۳)

میں بار بار پوچھ رہا ہوں بہار سے
آواز کس نے دی یہ مجھے کوہسار سے
دامن رنگا ہوا ہے ستاروں کے خون میں
اب کیا کوئی امید ہو صبح بہار سے
رو رو کے انتظار کی گھڑیاں گذار دیں
یہ بھی خطا ہوئی ترے امیدوار سے
کیا کیا ہوئیں نہ روز زمانے کو گردشیں
ہوتی نہیں نجات غم روزگار سے

(۱۴)

نیچی غمِ رخصت سے وہ معصوم نظر ہو
اور مجھکو کہیں دور کا درپیش سفر ہو

ڈرتا ہوں جو امید کوئی دل میں ہو پیدا
اتنا بھی نہ مایوس زمانے میں بشر ہو

حیرت میں ہوں اللہ رے یہ کثرتِ جلوہ
ہر چیز ہے محبوب اگر حسنِ نظر ہو

کیا ہو اُسے امید کہ پہنچے گا سحر تک
ہمدم جو سرِ شام سے ہم رنگِ سحر ہو

خود ذات پہ اپنی مجھے دھوکا ہے اب انکا
اتنا بھی نہ سرشارِ محبت میں بشر ہو

کیا جانے میں ہر در پہ کسے ڈھونڈ رہا ہوں
اب یہ مرے بس کی ہے کہ ہر در ترا در ہو

مایوس نہو ہجر کی شب کاٹنے والے

اِن تاروں میں شاید کوئی ہمرازِ سحر ہو

افسر تمہیں معلوم ہے کیا ہے مری جنّت

وہ ہوں لبِ گنگا ہو بنارس کی سحر ہو

(۱۵)

کھل نہ جائے یہ طلسمِ چمن آرائے بہار

باش لے جنبشِ مستانۂ لبہائے بہار

منتشر کیف جہاں میں ہو یہ اتنا بھی نہو

ذرّہ ذرّہ میں نظر آتے ہیں اجزائے بہار

ہائے وہ غنچۂ نشگفتۂ افسانہ ء دل

رازِ سربستۂ حسنِ چمن آرائے بہار

وہ ہیں اور زینت و آرائش رنگینیِ حسن

میں ہوں اور کیفِ جمالِ طرب افزائے بہار

دُکھ ہو دل میں تو بہاریں بھی خزاں بن جائیں
سُکھ ہو دل کو تو خزاں میں بھی نظر آئے بہار

چھاؤں ہے تاروں کی جنگل ہے سکوں ہے میں ہوں
مجھ سے پوچھے کوئی کیفیت شبہائے بہار

غمِ انجام کا رونا تو نہ جائے گا کبھی،
اک نظر دیکھ تو لوں صورت زیبائے بہار

بھر گئے پھر وہی ہر سمت فضا میں نغمے
اور دل تھام کے پھر میں نے کہا ہائے بہار!

نالہ زن افسرِ مجبور ہے کس درد سے آج
ہائے دل، ہائے ۔۔۔ ہائے وطن ہائے بہار

(۱۶۱)

صدائیں آتی ہیں دھیمے سروں میں گانے کی
اب آج پھر نہیں امید نیند آنے کی

مرے فسانے میں تم جان ہو فسانے کی
سناؤں کیا یہ نہیں داستاں سنانے کی
غضب کے دیکھنے والے ہیں یہ ستارے بھی
کہاں سے دیکھ رہے ہیں ہوا زمانے کی
فسانہ خواں تری آنکھیں قصور وار نہیں
میں جانتا ہوں خطا ہے مرے فسانے کی
یہ جھومتے ہوئے تارے فلک پہ نکلے ہیں
کہ مشعلیں ہوئیں روشن شرابخانے کی
قریب ہے مری منزل قریب ہے شاید
کہ اب نہیں رہی ہمت قدم اٹھانے کی
جہاں نہ گھر ہو کوئی نام کو بھی اے افسر
ہے فکر ایسی جگہ ایک گھر بنانے کی

(۱۷)

ہے اک بستی فراہم حسرت و امید و ارماں کی
بنا لی میں نے دنیا دل کے اجزائے پریشاں کی

اُمنگوں کا زمانہ ہے مسرت ریز ہے ساون
نہا کر ابر سے نکلیں شعاعیں مہرِ تاباں کی

ستارے بادلوں میں آج جھولا جھولتے نکلے
مہیا ہے فلک پر بھی تو کیفیت گلستاں کی

ہو افسرؔ کس طرح برسات میں حاصل سکوں مجھکو
یہ بادل منتشر، تعبیر ہیں خوابِ پریشاں کی

(۱۸)

ہجر کی شب کاٹنے والے بھی آخر سو گئے
زندگی کے چار دن تھے وہ بھی پورے ہو گئے

رونے والے آہ کر بھی تھی ذرا دل تھام کر
آسماں پر ابر کے ٹکڑے پریشاں ہو گئے

ہائے انجام تجسس کی عجائب کاریاں
تم ملے اور ڈھونڈنے والے تمہارے کھو گئے

زندگی کا ایک دھبہ دامن ہستی پہ تھا   ہائے وہ آنسو کہ اس دھبہ کو آ کر دھو گئے

پھول مرجھاتے ہیں افسرؔ اب سحر رخصت ہوئی
اوس کے قطرے حیاتِ مختصر کو رو گئے

(۱۹)

جہان میں بھی تو ہیں تیرے چاہنے والے   خدا کا نام نہ لے اے کراہنے والے
بھری ہوئی ہے خدا کی زمیں محبت سے   نباہنا ہو تو لاکھوں نباہنے والے
ہزار رنگ سے تم جلوہ ریز ہوتے ہو   تصورات کی دنیا ہیں چاہنے والے
یہ تم نے آتے ہی کیا کر دیا خدا معلوم   پکڑ کے رہ گئے دل کیوں کراہنے والے

زباں سے کچھ وہ کہیں تو سہی کہ اے افسرؔ
ہیں انتظار میں لاکھوں سراہنے والے

(۲۰)

یہ حشر ہے کہ ہے ٹکرا مرے فسانے کا   کہ دو ہی لفظوں میں الٹا ورق زمانے کا
یہ جھوم جھوم کے مستی بکھیرنے والے!   گھٹا یا تاروں نے رتبہ شراب خانے کا

ابھی تو حشر کو کچھ انتظار کرنا تھا　　کہ خاتمہ نہ ہوا تھا مرے فسانے کا

یہ بادلوں میں کوئی چیز جب چمکتی ہے　　تو کانپ جاتا ہے ہر تنکا آشیانے کا

وہ آرہے ہیں ستاروں کو نیند کے جھونکے　　اثر کسی پہ تو ہوتا مرے فسانے کا

جہاں بھر میں ہیں تنکے کہاں کہاں سے پیر　　صبا نے کر دیا کیا حال آشیانے کا

جھکے ہیں اس لئے اسکی گلی میں ہم افسرؔ
کہ نقش پا کو ارادہ ہے سر چڑھانے کا

(۲۱)

برسات کے یہ دو چار ستارے شام سے سوئے جاتے ہیں
جھینگر کی دھیمی آوازوں میں نیند کے جھونکے آتے ہیں
جب دل پہ نہ ہو قابو اپنا کیا ضبط کریں کیا صبر کریں
مجھ جیسے کاش وہ ہو جائیں جو آ کر سمجھاتے ہیں
دل غم سے بیٹھا جاتا ہے کیا حال کہوں ہمدردوں سے
لکنت سی زباں میں ہوتی ہے جب پوچھنے والے آتے ہیں

کس درجہ شوخ طبیعت ہیں یہ عشق محبت والے بھی
برسات کی تنہا راتوں میں گا گا کر دل بہلاتے ہیں

ہم جسکو موت سمجھتے ہیں پیغامِ حیات جدید ہے وہ
یہ پھول چمن میں جتنے ہیں پھر کھلنے کو مرجھاتے ہیں

دو شخص جب ایسے ملتے ہیں آپس میں جنکو محبت ہو
خاموشی طاری ہوتی ہے لب کھل کھل کر رہ جاتے ہیں

ہے حسن کی دنیا بھی افسرؔ محروم سکوں کی نعمت سے
دل دھک دھک کرنے لگتا ہے جب سامنے وہ آجاتے ہیں

(۲۴)

جب خوشی کا خیال آتا ہے — دل مایوس کانپ جاتا ہے
دل کسی چیز میں نہیں لگتا — کون یہ بار بار گاتا ہے
مجھے فردا کی فکر کیونکر ہو — غمِ امروز کھائے جاتا ہے
کم ہے آواز خود مری دمِ نزع — یا کوئی دور سے بلاتا ہے

سُکھ میں ہوتا ہے حافظہ بیکار　　دُکھ میں اللہ یاد آتا ہے
سارا عالم نظر میں ہے ویراں　　کوئی ایسے بھی دل دکھاتا ہے
اب تو ہنسنا مرے لئے افسرؔ
غیر فطری سا ہوتا جاتا ہے

(۲۴)

جو جینا ہو تو پہلے زندگی کا مدّعا سمجھے
خدا توفیق دے تو آدمی خود کو خدا سمجھے
مجھے اے چاند تیری منزلوں پر رشک آتا ہے
مسافر وہ نہیں ہے جو سفر کا مدّعا سمجھے
کوئی حد بھی ہے آخر دل پہ اب قابو کہاں تک ہو
مجھے تڑپا دیا کالی گھٹاؤں سے خدا سمجھے
نظر کے سامنے آ جنگلوں میں بولنے والے
کوئی بھی رسیلی ہلکی آوازوں سے کیا سمجھے

رسیلا راگ چھیڑا آم کے باغوں میں کوئل نے
نہ جب کوئی دل والا تو اسکا درد کیا سمجھے
حیات و موت دو کڑیاں ہیں اک زنجیر کی افسرؔ
کوئی کیا ابتدا سمجھے کوئی کیا انتہا سمجھے

(۲۴)

پھر وحشیوں کو شوق ہوا کوہسار کا
شاید اسی کو کہتے ہیں موسم بہار کا
بدرنگیاں خزاں کی اثر کیا کریں کہ میں
آیا ہوں دل میں عکس لئے نو بہار کا
پہنچیں نہ چارہ گر کی دوائیں مریض تک
اللہ رے سلوک کفِ رعشہ دار کا
میں شعر کہہ رہا ہوں کسی کے خیال میں
یہ زمزمہ نہیں ہے لبِ آبشار کا
یہ پھول جس نے روح کو مسرور کر دیا
اک مرثیہ ہے ہستیِ ناپائیدار کا
مانا کہ آج باغِ جہاں ہے خزاں نصیب
افسرؔ کبھی تو آئیگا موسم بہار کا

(۲۵)

تیری بھی اے ابرِ نیساں ہر صورت دلکش ہوتی ہے
جب جانِ بہار ہے قطرہ ہے جب زیبِ تاج ہے موتی ہے
دنیا کے ظاہر بینوں کی فطرت پہ نظر کب ہوتی ہے
جو قطرہ ہے وہ قطرہ ہے جو موتی ہے وہ موتی ہے
دن رات دعائیں کرنے پر اتنا بھی کوئی مایوس نہ ہو
آتی ہے موت مگر وہ بھی تقدیر سے مل کر روتی ہے
اب تک یہ عہد محبت کی کیوں باتیں دل میں چبھتی ہیں
جب یاد تمہاری آتی ہے کچھ ٹیس سی دل میں ہوتی ہے
جنگل کی شبِ مہ اے افسرؔ ہے محو سکونِ دلکش میں
یا نور کی ہلکی چادر میں اک حسن کی دیوی سوتی ہے

(۲۶)

شبِ مہتاب میں جو سو رہے ہیں　　　وہ کیفِ سیرِ انجم کھو رہے ہیں

پہاڑوں کا بنا رکھا ہے تکیہ
مزے کی نیند بادل سو رہے ہیں

بناتے ہیں چمن میں آشیاں جو
وہ اپنے حق میں کانٹے بو رہے ہیں

چمکتی ہے یہ بجلی ابر میں یا
کسی سے کچھ اشارے ہو رہے ہیں

ہم اپنوں میں بھی بیگانے ہیں افسرؔ
وطن میں بے وطن سے ہو رہے ہیں

(۲۷)

آغاز ہوا ہے الفت کا اب دیکھئے کیا کیا ہوتا ہے
یا ساری عمر کی راحت ہے یا ساری عمر کا رونا ہے

شاید تھا بیاضِ شب میں کہیں اکسیر کا نسخہ بھی کوئی
اے صبح یہ تیری جھولی ہے یا دنیا بھر کا سونا ہے

تم پھول سمجھتے ہو جنکو وہ میرے پیارے ساتھی ہیں
تم دب بتاتے ہو جسکو وہ میرا نرم بچھونا ہے

تدبیر کے ہاتھوں سے گویا تقدیر کا پردہ اٹھتا ہے

یا کچھ بھی نہیں یا سب کچھ ہے یا مٹی ہے یا سونا ہے
ٹوٹے جو یہ بندِ حیات کہیں اس شور و شر سے نجات ملے
مانا کہ وہ دنیا اے افسر صرف ایک لحد کا کونا ہے

(۲۸)

یہ دلنواز نغمے جنگل کی خاموشی میں — لرزہ سا آرہا ہے تاروں کی روشنی میں
للہ یہ بتا دے اے جذبۂ محبت — کیا حسن ہے خدا میں کیا عیب آدمی میں
ساون کی رات میں ہے مہتاب جلوہ فرما — یا نغمے سو رہے ہیں خاموش چاندنی میں
مرنے کے بعد بھی تو ہے فکر زندگی کی — اتنا بھی ہو نہ انساں سرشار زندگی میں
یہ پردۂ سحر میں فرقت کی تیرگی ہے — یا غم چھپا ہوا ہے دنیا کی ہر خوشی میں

جنگل کی رات افسر گو پرخطر ہے لیکن
امید کی جھلک ہے بستی کی روشنی میں

(۲۹)

فصل ہے برسات کی جنگل ہے وقت شام ہے — ایک تارا ہے سو وہ بھی رعشہ براندام ہے

بادلوں کی سرزمیں پر نغمہ ہائے جاں فزا　　مرغِ خوش پرواز! آزادی اسی کا نام ہے
یہ گھٹائیں یہ ہوائیں اور یہ ساون کی جھڑی
بے حسی کی حد ہے افسرؔ آج بھی کچھ کام ہے

(۳۰)

کس قدر جوشِ محبت کارفرما دل میں ہے　　نغمہ اک بیتاب ہر پروانۂ محفل میں ہے
لب کشائے راز سربستہ ہے خود مہرِ سکوت　　تجھ سے پوچھوں میں بتاؤں کیا تمہارے دل میں ہے
خیر کرنا اے خدائے بحرِ ناپیدا کنار　　درد سا کچھ آج آوازِ لبِ ساحل میں ہے
ہے ہر اک کونپل چمن میں سرفرازِ نوبہار　　کس قدر جوشِ نمو دنیائے آب و گِل میں ہے
اب بھی افسرؔ کارواں کا ہے پتہ ملنا محال
خیر مقدم کی صدا ویرانیٔ منزل میں ہے

(۳۱)

ستارے جھلملا جاتے ہیں جب میں شب کو روتا ہوں
کہ موتی ان سے بہتر چاند کی کھیتی میں بوتا ہوں

محبّت کے سفر کی منزلیں اور رات کی وحشت
میں اکثر جنگلوں میں چاند کے ہمراہ ہوتا ہوں
کوئی جب حال پوچھے دل پہ کچھ قابو نہیں رہتا
میں آنسو ضبط کر جاتا ہوں لیکن دل میں روتا ہوں
تصوّر میں کوئی مصروفِ آرائش بھی ہوتا ہے
میں جب تارِ نظر میں رات بھر موتی پروتا ہوں
مری خاموش راتیں اور محویّت تصوّر کی
نہیں معلوم یہ بھی جاگتا ہوں میں کہ سوتا ہوں
اکیلے گھر میں دونوں وقت جب ملتے ہیں اے افسر
خموشی کا مرقّع یاس کی تصویر ہوتا ہوں

(۳۴)

پریشانی ہے جی گھبرا رہا ہے
کوئی دیکھے سرِ دل میں گا رہا ہے
کہوں کیا حالِ ناکامِ محبت
تمنّاؤں سے جی بہلا رہا ہے

کوئی شب کی خموشی ہے گریاں   تصوّریں کوئی سمجھا رہا ہے
مری آنکھوں سے ظاہر ہو نہ جائے   کہ اک بادل سا دل پر چھا رہا ہے
تصوّر کی یہ مقصد آفرینی!   میں سمجھا کوئی سچ مچ آ رہا ہے

جو رستہ خلد میں نکلا ہے افسر
وہ دوزخ سے گذر کر جا رہا ہے

(۴۳)

کیا پوچھتے ہو کیا حالت ہے جو پڑتی ہے وہ سہتے ہیں
پھر شام ہوئی پھر رات آئی یہ دن بھر دھڑکے رہتے ہیں
دنیائے محبّت کا یہ بھی اک راز ہے ایک معمّا ہے
جو دُکھ دیتے ہیں ستاتے ہیں وہ اکثر دل میں رہتے ہیں
خود بالیں پر وہ آئے ہیں اور پوچھتے ہیں کیا حالت ہے
کچھ کہتے تو ہیں ہم لیکن معلوم نہیں کیا کہتے ہیں
آنکھوں کو میسّر ہوتے ہیں نظّارے حسنِ مطلق کے

جب تارے تنہا راتوں کو دریا میں نہاتے رہتے ہیں
فطری سہی خاموشی لیکن کچھ چوٹ بھی دل پر کھائی ہے
یہ میں نے اکثر دیکھا ہے کچھ افسر چپ چپ رہتے ہیں

(۳۴)

اثر دیکھا دعا جب رات بھر کی
ضیا کچھ کچھ ہے تاروں میں سحر کی
ہوئے رخصت جہاں سے صبح ہوتے
کہانی ہجر کی یوں مختصر کی
تڑپ اٹھے لحد کے سونے والے
زمیں کی سمت کیوں تم نے نظر کی
سحر کو موت کی مانگیں دعائیں
دعا مقبول ہوتی ہے سحر کی
یہ بجلی ہے کہ اے ابر شب ہجر
ہے دھجّی ایک دامان سحر کی
سحر دیکھیں یہ حسرت لے گئے ہم
بتائیں کیا تمہیں کیونکر سحر کی
یہ خوش سامانیاں وحشت کی افسر
کہ جنگل میں بنا ڈالی ہے گھر کی

(۳۵)

تیرگی ہیں جنگل کی چاند جب نکلتا ہے
میرا ہم سفر ہو کر ساتھ ساتھ چلتا ہے

یہ بھی اک تماشا ہے کارزارِ الفت میں
دل کسی کا ہوتا ہے بس کسی کا چلتا ہے

رات دن کی گردش میں کیا سے کیا ہوئی دنیا
کس قدر زمانہ بھی کروٹیں بدلتا ہے

بے اثر نہیں ہوتا نالہ جس کو کہتے ہیں
دل میں جا اترتا ہے دل سے جب نکلتا ہے

اس قدر بھی الفت میں ہو نہ کوئی بے قابو
دل میں سوچتا کیا ہوں منہ سے کیا نکلتا ہے

زندگی مری افسر اضطرار پیہم ہے
میں تو کانپ جاتا ہوں دل اگر سنبھلتا ہے

(۳۶)

ہوں محوِ ذات اتنا کہ بیخود ہوں مست ہوں
اب میں خدا پرست نہیں خود پرست ہوں

وحشت میں کس کو صاحبِ دامن کا ہوش ہے
اتنا تو جانتا ہوں کہ دامن بدست ہوں

یا محو ہو گیا ہوں میں خود اپنے شعر میں
یا کیف گیر نغمۂ روزِ الست ہوں

اللہ رے طلسم عناصر کی وسعتیں!
میں کیا ہوں اس طلسم کا اک بند و بست ہوں

اتنی بھی کیف ریز چمن میں نمو بہار
ہر شاخ کو گماں ہے کہ ساغر بدست ہوں

اخترؔ مری نظر میں ہیں کُل شب کی منزلیں
میں ایک رہ نوردِ سکوں مہ پرست ہوں

